کتاب و سُنّت کی روشنی میں ایک دستاویز

معیارِ صحابیت

رفضیت کی تاریکی میں لکھی گئی باتوں کا جواب

تالیف

الحاج ڈاکٹر علامہ خالد محمود زیدمجدہم

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

نائب امیر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مرکزِ تحقیقاتِ اسلامیہ

جامعہ ملّیہ اسلامیہ، امامیہ کالونی، لاہور

افلا یعقلون

کیا لوگ عقل نہیں رکھتے؟ یٰس: ۶۸

افلا یتدبرون

کیا لوگ غور نہیں کرتے؟ النسآء: ۸۲

افلا تتفکرون

کیا تم لوگ سوچتے نہیں؟ الانعام: ۵۰

افلا یبصرون

کیا لوگ دیکھتے نہیں؟ السجدۃ: ۲۷

افلا یسمعون

کیا لوگ سنتے نہیں؟ السجدۃ: ۲۶

کتاب و سنّت کی روشنی میں ایک دستاویز

معیارِ صحابیت

رفضیت کی تاریکی میں لکھی گئی باتوں کا جواب

تالیف

الحاج ڈاکٹر علامہ خالد محمود زید مجدہم

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

نائب امیر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مرکز تحقیقات اسلامیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ، امامیہ کالونی، لاہور

افلا یعقلون

کیا لوگ عقل نہیں رکھتے؟ یٰسٓ: ۶۸

افلا یتدبرون

کیا لوگ غور نہیں کرتے؟ النساء: ۸۲

افلا تتفکرون

کیا تم لوگ سوچتے نہیں؟ الانعام: ۵

افلا یبصرون

کیا لوگ دیکھتے نہیں؟ السجدۃ: ۲۷

افلا یسمعون

کیا لوگ سنتے نہیں؟ السجدۃ: ۲۹

نام کتاب ——— معیارِ صحابیت

تالیف ——— ڈاکٹر علامہ خالد محمود نائب امیر مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان

اشاعت ——— ۱۹۹۳ء

کتابت ——— حفیظ الحق صدیقی خانیوال

مقام اشاعت ——— شعبہ نشر و اشاعت جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور

ملنے کے پتے

پاکستان ——— احسان الحق خاں ناظم دار المعارف
۱/۲ دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور

انگلینڈ ——— اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر انگلینڈ

ہدیہ ——— دو پونڈ
۴۵ روپے

کتاب و سنّت کی روشنی میں ایک دستاویز

معیارِ صحابیت

رفضیت کی تاریکی میں لکھی گئی باتوں کا جواب

تالیف

الحاج ڈاکٹر علامہ خالد محمود زید مجدہم

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
نائب امیر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مرکز تحقیقات اسلامیہ

جامعہ ملیّہ اسلامیہ، امامیہ کالونی، لاہور

فہرست

انتساب

میں اس سعیٔ ناچیز کو جلیل القدر صحابی رسول حضرت معاویہؓ اور سیدنا حضرت حسنؓ کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں جنہوں نے اپنے لمبے چوڑے اختلافات کو ختم کرتے ہوئے امت کو پھر سے ایک ملی اتحاد فراہم کیا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم کارنامے پر حضرت حسنؓ کو سید فرمایا یہیں سے سادات اہل بیت کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ شخص ہرگز سید کہلانے کا مستحق نہیں جو صلح امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ سے راضی نہ ہو۔ سیدنا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کی (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۴ طبع قدیم) اور دونوں بھائی حضرت معاویہؓ سے وظیفے قبول کرتے رہے (سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صفحہ ۱۵۴)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ اس شخص سے وظیفے قبول کریں جو ان کے والد پر بسر عام لعنت کرتا ہو؟ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی غیرت اسے کیسے گوارا کرسکتی تھی۔۔۔ سو یہ بات ہرگز درست نہیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے امراء آخر تک حضرت علیؓ پر تبرا کرتے رہے۔ یہ وہ جھوٹ ہے جس نے اب تک اہل سنت اور شیعہ میں تفرقے کی فضا قائم کر رکھی ہے اور کسی طرح اتحاد ہونے میں نہیں آتا۔

یاد رکھیے ہمارے قومی اتحاد کی اساس حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی صلح پر ہے۔ ارکان قومی اسمبلی اگر پاکستان میں فرقہ وارانہ انتشار ختم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ صلح حسنؓ سے پہلے کے اختلافات کسی کو اچھالنے کا موقع نہ دیں۔ کوئی شخص حضرت معاویہؓ اور ان کے امراء کے بارے میں یہ تأثر نہ دے سکے کہ وہ آخر تک حضرت علی مرتضیٰؓ پر بسر عام لعنت کرتے رہے اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ اس حال میں ان سے صلح کرکے ان سے وظائف لیتے رہے ۔۔۔ یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں۔ ایمانِ مومن کبھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس جھوٹ کی اجازت دینے سے پاکستان میں کبھی اتحاد کی فضا قائم نہ ہوسکے گی۔

حجر بن عدی ایک صحابی نہ تھا اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جو مذکورہ صلح کے بعد حضرت حسنؓ کے خلاف اُٹھا اور اپنے امام پر زبردست جرح کی۔ پھر اس شخص نے حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کے

خلاف اُکسانے کی کوشش کی (الاخبار الطوال صفحہ ۲۲۰) حضرت حسینؓ اس کی باتوں میں نہ آئے اور کہا ہم بیعت کر چکے ہیں۔ ہمارے سامنے اب نقضِ بیعت کا کوئی جواز نہیں ہم کیوں حضرت معاویہؓ کی بیعت سے نکلیں۔

حجر بن عدی نے ہر طرف سے ناکام ہو کر پھر خود بغاوت تیار کی۔ اس پہ گواہوں کی شہادت ہوئی۔ بغاوت کا اس پہ مقدمہ چلا اور اسے اس سزا میں قتل کیا گیا۔

ہمارے لاکھ سلام ہوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ پر اور ہماری برأت ہے حجر بن عدی کے اس عمل سے ——— ہم پاکستان میں بھی حضرت معاویہؓ سے صلح چاہتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ حضرت حسنؓ کے اس عظیم فیصلے کے خلاف ہر عمل بغاوت کو رد کریں۔

سعادت مند ہیں وہ جو اس باب میں حسنی اور حسینی بنیں اور بدقسمت ہیں وہ جو حجری بن کر حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کے خلاف بغاوت کریں۔

حجر بن عدی صحابی نہ تھا نہ وہ حضرت علیؓ کے سوا کسی دوسرے سے روایت لیتا تھا۔

اکثر المحدثین لا یصححون له صحبة۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۵۰)

ترجمہ۔ اکثر محدثین اس کی صحابی ہونے کی تصدیق نہیں کرتے۔

ہم اس انتساب میں حجر بن عدی کے ہنگامہ پرور کردار سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

پیش لفظ

بشیر حسین بخاری نے جناح سٹریٹ بلاک ۲۰ سرگودھا سے ایک پمفلٹ معیارِ صحابیت لکھ کر قومی اسمبلی اور سینٹ کے ارکان کے پاس بھیجا ہے۔ موصوف نے اس میں معیارِ صحابیت کو نئے سرے سے طے کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ مباحث پھر سے اُٹھائے ہیں جنہیں سیدنا حضرت حسنؓ اپنے عظیم کارنامہ صلح سے ہمیشہ کے لیے دفن کر چکے اور حضرت حسینؓ نے اپنے عمل سے انہیں مسترد کر دیا تھا۔ بشیر حسین موصوف نے صحابہؓ کے بارے میں اپنا نقطہ نظریہ پیش کیا ہے۔

"شیعہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں کوئی ذاتی امتیاز نہیں۔" صفحہ ۱۷

بشیر حسین کے اس عقیدے کی تردید اُن کے علامہ محمد حسنین نے خود اسی پمفلٹ کے پیش لفظ میں کر دی ہے۔

"صحابیت مذہبِ شیعہ میں یقیناً ایک عظیم شرف و فضیلت ہے۔ صحابہ کرام کی فضیلت میں آنحضرتؐ اور ان کے اہلبیت سے بکثرت احادیث منقول ہیں۔" پمفلٹ مذکور صفحہ ۴

ان دونوں میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے اور کون غلط۔ اس کا فیصلہ شیعہ ہی کریں ہمارا اس وقت کا یہ موضوع نہیں نہ یہ موجودہ اسمبلی کا کام ہے کہ فیصلہ کرے کون صحابی ہے اور کون نہیں اور یہ کہ معیارِ صحابیت کیا ہے؟

اسمبلی اور سینٹ کے سامنے اس وقت یہ مسئلہ ہے کہ ایک ملک جس میں سنی اور شیعہ دونوں بستے ہوں۔ ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے والے اسباب کیا کیا ہیں اور ان کا کس طرح سدِباب کیا جا سکتا ہے اور ہر فریق کو کس طرح ان کے مسلمات کے تحفظ کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔

اہل سنت والجماعت اس بات کے مدعی ہیں کہ شیعہ چند صحابہ کرامؓ کے سوا باقی سب کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ "شیعوں پہ یہ تہمت ہے کہ وہ ماسوائے چند کے سب صحابہ کو کافر کہتے ہیں یا یہ کہ ان پر سب کرتے ہیں۔" پمفلٹ مذکور صفحہ ۶

یہاں دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ شیعہ جب کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرامؓ کو بُرا نہیں کہتے تو اُن کے نزدیک یہ اس طرح صحیح ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کو صحابی ہی نہیں سمجھتے

در اہل سنت کے نزدیک چونکہ یہ حضرات صحابہؓ ہیں بلکہ اکابر صحابہؓ میں سے ہیں۔ اس لیے انہیں بُرا کہنا یقیناً مسلمانوں
ں انتشار اور افتراق پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ جب تک شیعہ کی زبان ان حضرات کو بُرا کہنے سے بذریعہ قانون
وکی نہیں جاتی اس وقت تک اس ملک میں مختلف گروہوں میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

اثنا عشری شیعوں کی یہ پیچدار گفتگو عوام کے سامنے کھلی اور واضح نہ تھی۔ ہم بار بار اسے واضح کرتے رہے
ور شیعہ اس کا انکار کرتے رہے۔ اب بشیر حسین نے معیارِ صحابیت لکھ کر یہ بات خود تسلیم کر لی ہے کہ اہل السنۃ
ن حضرات کو صحابہ کرامؓ سمجھتے ہیں شیعہ انہیں صحابی نہیں مانتے۔ سو شیعوں کا یہ کہنا کہ ہم صحابہ کرامؓ کو بُرا نہیں کہتے
ن کے اپنے عقیدہ کے پیش نظر ہے۔ سو ان کا اس طرح کا "انکارِ سبِ صحابہ" اس جلتی آگ کو نہیں بجھا سکتا۔ جو شیعہ
لماء کلینی سے لے کر خمینی تک اسلامی ملکوں میں مختلف پیرایوں میں لگاتے چلے آئے ہیں۔

ایران جو کہ بقول مؤرخ ایران سعید نفیسی سنّی اکثریت کا ملک تھا اس میں فرقہ وارانہ آگ کیسے لگی اسے انگریز
ورخ ایڈورڈ براؤن کے الفاظ میں پڑھیئے :-

"ارباب نقد و نظر جانتے ہیں کہ ایران کے اس ابتلائے عظیم کا سب سے بڑا سبب تعصّب اور تنگ نظری کی وہ آگ تھی جو مُلّائے موصوف باقر مجلسی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی لگائی ہوئی تھی۔"

(تاریخ ادبیاتِ ایران جلد ۴ صد ۱۹۲)

بشیر حسین کا مذکورہ کتابچہ کیا ہے؛ یُوں سمجھئے کہ بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے اور موصوف نے پاکستان
ں پیدا ہونے والی موجودہ سنّی شیعہ خلفشار اور پھر اس نہ رُکنے والے فرقہ وارانہ سیلاب کی اصل بنیاد سامنے
کر رکھ دی ہے۔

اب یہ کام ارکانِ اسمبلی کے سوچنے کا ہے کہ وہ سنّی شیعہ اختلافات کو حل کر کے اور ان اختلافی مسائل پر مناظرانہ
نا اور سوال و جواب قائم کر کے پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم کریں گے یا دونوں مذاہب جو اپنی اپنی جگہ طے
ندہ ہیں انہیں اپنے اپنے مقام پر رکھتے ہوئے دونوں کو ان کے عقائد کا تحفظ فراہم کریں گے۔

سنّی اپنے عقیدہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضورؐ ختمی مرتبتؐ کا کامل صحابی سمجھتے ہیں اور آپؓ کی صحابیت
کے انکار کو کُفر جانتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بشیر حسین کے تجویز کردہ معیارِ صحابیت پر
پُورے اُترتے ہیں یا نہیں۔ ارکانِ اسمبلی کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں جو سنّی
قیدہ ہے اسے اس ملک میں کس طرح آئینی تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ اہل سنّت چاہتے ہیں کہ آپ کی شان میں گستاخی
سزا مرتد کی سزا قرار دی جائے اور صحابہ کو صحابہ سمجھنے میں معیار وہ رکھا جائے جو اہل سنّت اپنی کتابوں میں لکھ چکے اور
کر چکے ہیں۔ شیعہ جن صحابہؓ کی عزت کا تحفظ چاہتے ہوں ان کی صحابیت کا فیصلہ بے شک ان کے معیار پر کیا جائے

لیکن اہلسنت کے بزرگوں کی عزت کا تحفظ خود ان کے عقیدہ کے مطابق ہو —— یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ صحابہؓ کی
عزت کے تحفظ کا بِل تو سُنّی پیش کریں اور صحابیت کا معیار شیعہ پیش کریں۔ یہ صرف مدعی کا حق ہے کہ وہ اپنے دعویٰ
کی وضاحت کرے۔ مستغیث ہی اپنے استغاثہ کو اصل صورت میں پیش کر سکتا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں اہل سنّت کا یہ مؤقف کہ شیعہ صحابہ کرامؓ کے منکر ہیں اور انہیں بُرا کہتے ہیں اتنا کھُل
کر سامنے آجاتا ہے کہ اب اس میں کسی منصف مزاج کو کسی قسم کا کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔

اہل سنّت عقیدے میں صحابہؓ میں نیک و بد کی کوئی تقسیم نہیں۔ قرآن کریم میں تمام صحابہؓ سے جنّت کا وعدہ کیا
گیا ہے۔ وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ (پ۲۷ الحدید) منافقین کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولِ برحقؐ اور صحابہؓ نے کبھی
صحابہؓ میں سے نہیں سمجھا —— انہیں بار بار وما ھم بمؤمنین (پ۱ آیت ۸) کہا گیا ہے۔ ان کے دلوں میں
ایمان نہ تھا لیکن جن کے ایمان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنّتی کہہ کر خبر دی ان کے ایمان میں کوئی شبہ
نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے خلافت کا وعدہ کیا تھا دنیا نے دیکھا کہ خلافت کن کن کو ملی؟ جن کو ملی وہ
یقیناً مومنین میں سے تھے کیونکہ وعدہ اُن پر پُورا ہوا۔ خلفائے راشدینؓ کے ایمان میں اب کیسے کسی کو کوئی شک
ہو سکتا ہے۔

حضورؐ کی مجلس میں جو منافقین آتے یا وہ خود نکل جاتے یا نکال دیئے جاتے۔ حضورؐ کا ان کے نکالنے میں
کسی قدر تاخیر کرنا یہ سب امرِ الٰہی سے تھا۔ لیکن حضورؐ کا دنیا سے سفرِ آخرت اس وقت پیش آیا جب دودھ کا
دودھ اور پانی کا پانی اپنی جگہ نِکھر چکا تھا۔ کوئی بات اندھیرے میں نہ رہی تھی۔ حضورؐ دُنیا سے نہایت کامیاب ہو کر
رخصت ہوئے۔ منافقین مومنین سے کلی طور پر الگ ہو گئے۔ ایسا نہیں جیسا کہ خمینی کہتا ہے کہ حضورؐ اپنے مشن
میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ استغفر اللہ العظیم

"جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دُنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔" (دیکھیئے اتحاد و یکجہتی شائع کردہ خانہ فرہنگ ایران)

بشیر حسین نے عربوں کی طبیعت اور ان کے باطنی رجحانات پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عنایت اللہ خان مشرقی
کی ایک عبارت پیش کی ہے۔ لیکن اس بات پر وہ ایک سطر بھی نہیں دیکھا سکا کہ عربوں پر کیئے گئے اس عام تبصرہ میں
حضرت علیؓ داخل نہیں تھے۔ آخر تھے تو وہ بھی عرب ہی —— اب جس راہ سے شیعہ سیدنا حضرت علیؓ کو اس عموم سے
لا باہر کریں گے۔ اہل سنّت کیا اسی راہ سے دوسرے خلفائے راشدینؓ کو بھی بچھڑے کی پرستش سے محفوظ و مصئون
ثابت نہ کر سکیں گے؟

دنیا ہر سال دیکھتی ہے کہ یہودیوں کی بچھڑے کی پرستش ایک مختلف صورت میں کن لوگوں میں پائی جاتی ہے اور کون ایک جانور پر ہر سال نذریں چڑھاتے ہیں.

بشیر حسین موصوف کا مذکورہ پمفلٹ جو تمام ارکان اسمبلی کو بھیجا گیا ہے اس میں اس نے شیعہ سنّی اختلافات واسی طرح اُچھالا ہے جیسا کہ شیعہ صدیوں سے اچھالتے آئے ہیں. اب ظاہر ہے کہ اسمبلی اُن کا فیصلہ کیا کر سکے گی. ہمبلی کو یہ فیصلہ نہیں کرنا کہ دونوں فرقوں میں سے کون حق پر ہے اور کون نہیں ——— تحفظ ناموسِ صحابہؓ کے بل کا نقد یہ ہے کہ جن صحابہؓ کو سنّی اپنے اکابر صحابہؓ سمجھتے ہیں اور شیعہ انہیں صحابی ہونا تو درکنار مومن بھی نہیں سمجھتے. ن کی عزت و ناموس کو اس ملک میں کیسے تحفظ دیا جاسکتا ہے. اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت انکار کفر ہے. اب جو لوگ اہل سنّت کے اس درجے کے اکابر کو بُرا بھلا کہیں، ان کی زبان و قلم کو اس تبرّا سے روکنے کے لیے تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا بل پاس کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر پاکستان میں سنّی شیعہ کی فرقہ وارانہ فضا ہرگز پُرامن نہیں ہو سکتی.

صحابہ کرامؓ پر دلآزار حملے

مؤلف مذکور نے صحابیت کا مقام گرانے کے لیے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا. موصوف نے اس کے لیے جو عنوان اختیار کیے ہیں ان کی ایک جھلک ذیل میں ملاحظہ ہو. اس کی اشاعت سے موصوف نے م کے دو حصّوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی کوشش کی ہے یا اس نے دونوں کے فاصلے اور طویل ر لیے ہیں اس کا فیصلہ ہم خود معزز اراکین اسمبلی پر چھوڑتے ہیں. ہماری رائے میں اس پمفلٹ کی اشاعت نے مسلمانوں میں "بل تحفظ ناموسِ صحابہؓ" کی ضرورت اور نمایاں طور پر اُجاگر کر دی ہے اور محسوس ہوتا ہے اس بل کو پاس کیے بغیر ملک میں فرقہ وارانہ امن شاید ہی کبھی قائم ہو سکے.

پمفلٹ مذکور کی زبانِ تبرّا ملاحظہ ہو:-

(۱) احادیث و قرآنی آیات تصریح کے طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ بعض صحابہ صحبت کے معنی سے نکل گئے۔ ص۱۸

(۲) عجیب و غریب احادیث صحابہ کے حوالے سے آگئی ہیں جو نورِ نبوت سے محروم ہیں. ص۱۹

(۳) فریقین صحابہ کہلائے ایک طرف رسول اور دوسری جانب کفّار. سطر ۱۲، ۱۷ ص۲۶ ؎۱

؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت سے پہلے اہلِ مکہ کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے. اس دور کے اعتبار سے پ کو ان کا رفیق کہا گیا کہ تمہارا ساتھی کسی جنون میں مبتلا نہیں. وہ خدا کا رسُول ہے. اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ لی اللہ علیہ وسلم آغاز وحی کے بعد کفّار کے ساتھ مل جُل کر رہتے تھے. یہاں باعتبار ماسبق کے آپ کو تو اُن کا

(۴) یقیناً ایک دوسرے کے صحابی ہی تھے مگر نبی کی صحبت کے باوجود کافر ہی رہے. ص۲۶ ؎۱

(۵) دین کے بجائے دُنیا کے پرستار صحابی ص۳۲ ؎۲

(۶) دنیا چاہنے والے صحابہ ص۳۳ ؎۳

(۷) خائن صحابی ص۳۸ ؎۴

(۸) سرکاری مال ہڑپ کرنے والے صحابی ص۳۹ ؎۵

(۹) جہاد سے منہ پھیرنے والے صحابی ص۳۹

(۱۰) معیار صحابیت کس قدر گر چکا تھا ص۴۰

(۱۱) اس نام کے رضی اللہ عنہ خالد بن ولید نے بلا عدت گزارے ایک صحابی کی بیوہ سے جشن منایا اور سیف اللہ کا تمغہ پایا. ص۴۷

(۱۲) بیعتِ رضوان والوں نے تو راہِ فرار کی تمام حدیں توڑ دیں. ص۵۴ ؎۶

(۱۳) مزید سُنیے کہ بیعت الرضوان والوں نے کیا کیا گُل کھلائے. ص۵۶

(۱۴) ایک اور رضی اللہ عنہ کا کردار ملاحظہ ہو. ص۵۸

ساتھی کہا گیا ہے. انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی نہیں کہا گیا. تاکہ صحابہ کا تقدس مجروح نہ ہو. ما بصاحبکم من جنۃ (السبا) اور ماضل صاحبکم (النجم) میں صاحب کا لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وارد ہے اور وہ بھی باعتبار عہد سابق کے ——— کفار کو کسی جگہ صحابہ نہیں کہا گیا. مؤلف مذکور کا یہ کُھلا جھُوٹ نہیں تو اور کیا ہے کہ فریقین صحابہ کہلائے ——— سورسالت کے کسی مرحلے میں کفار کو صحابہ نہیں کہا گیا.

؎۱ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں جو دو آدمی تھے انہیں بھی حضرت یوسفؑ نے یہ نہیں کہا کہ میرے دو ساتھیوں بلکہ فرمایا میرے جیل کے دو ساتھیو ——— تاکہ مطلق صحابی کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے ——— کافر کیسے نبی کے صحابی ہو سکتے ہیں.

؎۲ مؤلف کی پیش کردہ آیت میں دنیا کا آخرت سے تقابل ہے دین سے نہیں. اس نے دین و دُنیا میں تقابل کر رکھا ہے. افسوس

؎۳ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ ممنوع دُعا تو نہیں ہے. تو دنیا چاہنا کیا کوئی عیب ہے؟

؎۴ روزنامہ جنگ لاہور میں یہ سُرخی نہیں. یہ روزنامہ جنگ پر کُھلا افترا ہے. خائن صحابی مؤلف کے اپنے الفاظ ہیں.

؎۵ یہ سرخی بھی روزنامہ جنگ لاہور ۵ دسمبر ۱۹۹۱ء پر افترا کی شہادت ہے. واقعہ میں کوئی مال ہڑپ نہیں ہوا.

؎۶ یہ بیعت جس معرکہ کے لیے لی گئی تھی وہ معرکہ پیش ہی نہ آیا. جنگ کے بغیر صلح نامہ طے پا گیا. یہ جنگ سے فرار کا سوال کیسے پیدا ہو گیا اور پھر اس پر یہ مضحکہ خیز تبصرہ کہ بیعت رضوان والوں نے راہ فرار کی تمام حدیں توڑ دیں اگر بڑی جہالت اور صریح شرارت نہیں تو اور کیا ہے.

معزز ارکان اسمبلی —— ہم کہاں تک اس دلآزار اور فتنہ پرور پمفلٹ کے حوالے پیش کریں —— صحابہ کرامؓ کے بارے میں اثنا عشری شیعوں کا یہ موقف صحیح ہے یا نہیں. یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام نہیں. نہ قومی اسمبلی کوئی مناظرے کا میدان ہے کہ تحقیق کرے کہ صحابہ کے بارے میں شیعوں کا موقف درست ہے یا سُنیوں کا —— اسمبلی کے سامنے مسئلہ صرف یہ ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ امن قائم کرنے کے لیے اپنے بزرگوں کی عزت اور ناموس بذریعہ قانون محفوظ کرنے کا ہمیں حق ہے یا نہیں.

آپ حضرات نے یہ دیکھنا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں شیعوں کے پیش کردہ ان واقعات کی کیا حقیقت ہے ور وہ اپنے بزرگوں کے حق میں جو علمی اور تعظیمی مواد رکھتے ہیں ان کے ساتھ اس قوم کو اپنے اعتقادی تحفظات کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں —— اگر ہے تو آپ ان نفوسِ قدسیہ کی عزت و ناموس کو قانونی تحفظ دیں کہ ان زبانوں پر تالے ڈالیں جو دن رات صحابہؓ کے خلاف تبرا کا لاوا اُگلتی ہیں اور پریس پر بھی کڑی پابندی عائد کی جائے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے کسی صحابیؓ پر بشمول سیدنا حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کوئی دلآزار تحریر شائع کر سکے.

معزز ارکان اسمبلی —— یہی ایک راہ ہے جس کے ذریعہ اس ملک میں اصُولی بنیادوں پر فرقہ وارانہ امن قائم رہ سکتا ہے. آپ ملک و دین کی اس خدمت میں اپنے تاریخی نقوش چھوڑیں. آئندہ آنے والی نسلیں بھی آپ کو دعا دیتی رہیں گی.

صحابہؓ کی شان میں گستاخی کی سزا

صحابہؓ کی گستاخی کرنا اور انہیں بُرا بھلا کہنا عام گالی گلوچ نہیں اس کا پس منظر دیکھا جائے گا. اگر یہ گستاخی ان حضرات کے کفر و ضلال کے عقیدے سے ہو تو اس کی سزا اور ہے اس کے بغیر عام سطحی گفتگو کے طور پر ہو تو اس کی سزا اور ہے. یہ فیصلہ کسی عام فقیہ کا نہیں اسلامی سپریم کورٹ کے چار ججوں (ائمہ اربعہ) میں سے اس کا ہے جسے امام دارالہجرت کہا جاتا ہے. قاضی عیاض مالکیؒ (م ۵۴۴ ھ) لکھتے ہیں:-

من شتم احدًا من اصحاب النبیؐ ابابکر او عمر او عثمان او معاویۃ او عمرو بن العاص فان قال کانوا علی ضلال و کفر قتل وان شتمھم بغیر ھذا من مشاتمۃ الناس نکل نکالًا شدیدًا. (الشفاء جلد ۲ ص ۳۰۸ طبع بیروت)

ترجمہ: جس نے صحابہؓ میں سے کسی کو گالی دی حضرت ابوبکرؓ کو یا حضرت عمرؓ کو یا حضرت عثمانؓ کو —— حضرت معاویہؓ کو یا حضرت عمرو بن العاصؓ کو —— کسی کو بھی اگر اس عقیدے سے گالی دے کہ وہ کُفر اور گمراہی میں تھے تو سزا اس کی سزائے موت ہے اور اگر کوئی ان کو اس طرح بُرا بھلا

کہے جیسے لوگ آپس میں گالی گلوچ ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں سخت تکلیف میں ڈالا جائے گا. (کوڑے لگائے جائیں گے).

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ترجمان ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ ھ) لکھتے ہیں:-

وقد صرح بعض علمائنا بانہ یقتل من سب الشیخین ففی کتاب السیر من کتاب الاشباہ والنظائر للزین بن نجیم کل کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا و الاٰخرۃ الا جماعۃ الکافر بسب النبیؐ وسب الشیخینؓ او احدھما او بالسحر او بالزندقۃ اذا اخذ قبل توبتہ و قال سب الشیخینؓ ولعنھما کفر.

(مرقات جلد ۱۱ ص ۲۷۳)

ترجمہ. ہمارے بعض علماء نے تو بہت کھل کر بات کہہ دی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہنے کی سزا سزائے موت ہے جو کافر توبہ کرے اس کی توبہ دُنیا اور آخرت دونوں جگہ لائق قبول ہے. مگر وہ فرقہ جو نبی پاک اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بُرا بھلا کہنے سے کافر ہوا یا جادو اور زندقہ کے باعث کافر ہوا تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں. اگر وہ توبہ سے پہلے ارتکاب جُرم میں پکڑا جائے. حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہنا کفر ہے.

معزز ارکانِ اسمبلی

جب تک گستاخانِ صحابہ و اہل بیت کو اس قانونی گرفت میں نہیں لیا جاتا اور ان پر یہ شرعی سزائیں جاری نہیں کی جاتیں. ملک میں فرقہ وارانہ امن کبھی قائم نہ ہو سکے گا —— آپ ہمت اور جرأت سے آگے بڑھیں اور بل تحفظ ناموس صحابہؓ پاس کر کے اپنے خیمے جنت میں لگوالیں.

این دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

یکے از خدامِ صحابہ و اہلبیت

خالد محمود عفا اللہ عنہ

موعظہ عبرت

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) فدا حسین نقوی نے مئی ۱۹۹۲ء میں بشیر حسین بخاری کی ایک نہایت غلیظ تحریر "معیارِ صحابیت" کے نام سے شائع کی جس میں اس نے صحابہؓ کے بارے میں لکھا:

ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی جن کے بیان کرنے میں کوئی قدغن نہیں. لہذا اُسے کسی طرح بھی قابلِ پھانسی یا گردن زدنی قرار دینا انصاف کے منافی ہے. ص۹

آپ نے اہلِ بیت کے بارے میں یہ جملہ کبھی کسی سے نہ سنا ہو گا کہ

ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی اور بُروں کو بُرا کہنے میں کوئی قدغن نہ ہونی چاہیئے کہ انہیں بُرا کہنے پر کسی کو قابلِ پھانسی قرار دیا جائے.

یہ اس لیے کہ ہم اہل السنّة والجماعة کے عقیدہ میں سب صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت عظام قابلِ عزّت و رلائقِ تکریم ہیں. ان میں اچھے اور بُرے کی تقسیم نہیں. یہ سب اچھے تھے ان میں یہ تفریق پیدا کرنا ایک شرارت ہے جسے دبانے کے لیے وفاقی اسمبلی میں بل پاس ہونا چاہیئے اور جو شخص حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ. حضرت عثمانؓ و علیؓ. حضرت حسنؓ و حسینؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ یا حضرت فاطمۃ الزہراؓ میں سے کسی کو بُرا کہے اور سے غیر مومن یا غیر مومنہ سمجھے اس کی سزا پھانسی ہونی چاہیئے.

یہ بات شیعوں کا کوئی مولوی کہتا تو اس کی دلائل سے تردید کی جاتی لیکن افسوس اس بات کا ہے یہ بات ایک سابق فوجی کہہ رہا ہے. اس سے اندازہ کیجیے کہ یہ لوگ ساری عمر فوج میں گزار کر بھی یہ بات سمجھ ہیں پائے کہ پاکستان میں فرقہ وارانہ فضا پیدا کرنا ملک کے سیاسی مستقبل کے لیے کتنا مضر ہے —— جو نفرات آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے خیمے جنّت میں لگا چکے اُن میں آج اچھے اور بُرے کی تقسیم پیدا کرنا پوری تاریخِ ملت کے خلاف ایک بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار.

ایک شیعہ فوجی کا کردار آپ کے سامنے آچکا ہے اس سے آپ شیعہ افسران انتظامیہ کے اندرونی ہی کردار کو بھی آسانی سے جانچ سکتے ہیں —— سو اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ سب صحابہ کرامؓ اور بیت عظامؓ کی عزّت و عظمت کو قانونی طور پر تحفظ مہیا کیا جائے. تاکہ کسی مفسد اور ملحد افسر کا کوئی عمل ستان کے اہل السنّة والجماعة کے مذہبی حقوق کو اور پاکستان کی سالمیت کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے.

یہ ریٹائرڈ فوجی اب سرگودھا کے شیعی مرکز تحقیقات کے ناظم اعلیٰ ہیں. انہوں نے مذکورہ بالا غلیظ

تحریر پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک ایک ممبر کو بھیجی اور تحفظ ناموسِ صحابہؓ کے سُنّی مطالبہ کو یکسر چیلنج کر دیا.

اس موقع پر مسلم ممبرانِ قومی اسمبلی کا فرض تھا کہ اسمبلی میں اس تحریر کے حوالہ سے اس فوجی کرنل اور شیعی مولوی بشیر حسین بخاری دونوں کو قانون کی زد میں لینے کی تحریک کرتے اور قومی اسمبلی میں صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتِ عظامؓ کی عزت و عظمت کو قانونی تحفظ مہیا کرتے. مگر افسوس کہ اُن پر اس غلیظ تحریر سے جُوں تک نہیں رینگی.

ہم نے اُن میں سے بعض کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر ممبرانِ اسمبلی نے اس ریٹائرڈ فوجی کرنل کی اس شرارت پر مزید سکوت اختیار کیا تو پھر اللہ ربّ العزّت کی غیرت جوش میں آجائے گی اور پھر اس اسمبلی پہ خدا کا وہ قہر برسے گا کہ اسمبلی اپنا وقت پُورا کرنے سے پہلے ٹوٹ جائے گی.

چنانچہ اسی طرح ہوا اور ملک میں وہ حالات پیدا ہو گئے کہ الامان والحفیظ —— اب دوبارہ الیکشن ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پھر ہمیں ایک منتخب حکومت دی ہے —— اے معزز ارکانِ اسمبلی! پچھلے لوگ جا چکے اب آپ اس حکومت کا ستون ہیں.

خدارا آپ ہوش کے ناخن لیں اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اس قہر سے بچائیں جو پہلی اسمبلی کے ارکان پر بے دریغ برسا ہے اور دُنیا نے اس کا تماشا دیکھ لیا ہے.

اس غلیظ تحریر کا یہ منصفانہ اور حکیمانہ جواب اب ان جملہ نو منتخب ارکانِ اسمبلی کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے. خدارا اسے پُوری تنقیدی نظر سے دیکھیں —— اور شیعوں کی اس غلیظ تحریر کو سامنے رکھ کر دیکھیں —— اور حوالوں کو اصل ماخذ سے ملا کر دیکھیں —— حقیقتِ حال ان شاء العزیز آپ سب حضرات پر کھل جائے گی. اس پر آپ نے اگر قومی اسمبلی میں کوئی جرأت مندانہ قدم اُٹھایا تو پاکستان ان شاء اللہ ایک امن کا گہوارہ بن جائے گا اور شیعی ملاؤں کی لگائی فرقہ وارانہ آگ یہاں ہمیشہ کے لیے بُجھ جائے گی.

آسمان ہو گا سحر کے نُور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

○

مقدمہ

صحابہؓ کی جماعت نے تزکیہ قلب کی دولت کیسے پائی؟

تدریج و تربیّت سے

قرآن کریم نے منصب رسالتؐ کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بات بھی بیان کی ہے کہ آپ اپنے فیضِ صحبت سے ایک جماعت کے دل پاک کریں۔ سو آنحضرتؐ نے اسس حکم الٰہی کے تحت صحابہ کے دل بالتدریج پاک کئے ہم جو سب صحابہؓ کو پاک اور تزکیہ قلب کی دولت سے سرفراز مانتے ہیں۔ وہ حضورؐ کے عمل تزکیہ کے بعد سے مانتے ہیں یہ نہیں کہ وہ پہلے سے ہی دل کی ہر آلودگی سے پاک تھے۔ یہ حضورؐ کا فیضِ صحبت ہے جس نے آپ کے سب صحابہؓ کو ہدایت کے ستارے بنا دیا۔

اب اس تربیت کے دوران جن صحابہؓ سے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہوئی اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود ناپسندیدہ ہو گئے۔ دورانِ تربیت شاگردوں کی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں اور پھر اُستاد ان کی اصلاح کرتا ہے، تب کہیں جا کر ان کی زندگیاں معیاری بنتی ہیں۔ تربیت کے دوران ان سے جو کمزوریاں صادر ہوئیں۔ وہ ان میں ہرگز موجبِ قدح نہیں ہو سکتیں۔ وہ حضرات تکمیل شریعت کے مختلف مراحل میں بمنزلہ آلات استعمال ہو گئے۔ اب ان کے اس دور کے واقعات کو اُٹھانا اور ان پر جرح کرنا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں مثلاً :-

(۱) حضرت علی مرتضیٰؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے دوسرے نکاح کا ارادہ کیا حضورؐ کو یہ بات ناپسند تھی۔ حضورؐ کے فرمانے سے حضرت علی مرتضیٰؓ اُس سے رُک گئے۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صحابہؓ میں اچھے بُرے کی تقسیم تھی اور حضرت علیؓ اچھی صف میں نہ تھے ایک بڑا غلط استدلال ہو گا۔ یہ واقعہ تکمیل شریعت کے دوران کا ہے بعد کا نہیں۔

(۲) شیعہ روایات کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو مانند زناں پردہ نشین کہا تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ صحابہؓ میں باادب اور بے ادب دونوں طرح کے لوگ تھے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ باتیں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ اور دورِ تربیّت کی ہیں۔

جس طرح ان واقعات کی ایک توجیہ ہے اس طرح علمائے اہل سنّت کے ہاں ان تمام واقعات کی توجیہات ہیں جو بشیر حسین نے اپنے پمفلٹ کے صـ۱۴ پر پیش کئے ہیں اور بعض تو ان میں سرے سے ہیں ہی نہیں انہیں یونہی لکھ دیا گیا ہے۔ مثلاً "ایسے صحابی بھی تھے جو جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھتے تھے۔

اس پر مروج الذہب کا حوالہ دیا گیا ہے جو خالصتہً شیعوں کی کتاب ہے۔ پھر جمعہ کے دن کی قضا ہوئی نماز کسی نے اگلے بدھ پڑھ لی تو اس میں کون سی نیکی اور بدی کی تقسیم ہے۔ اور اس میں کیا حرج ہے؟

(۳) پھر یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت طلحہؓ نے حضورؐ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کا قصد کیا ہو — جب اللہ تعالیٰ نے انہیں امت کی مائیں کہہ دیا تو اب کوئی بدبخت حضورؐ کی وفات کے بعد ان ماؤں کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں سوچ سکتا۔ ہاں اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کسی نادان نے نادانی میں ایسی بات کہی تو اب اللہ رب العزت نے اسے حرام ٹھہرایا۔ پیغمبرؐ کی بیویوں کو مومنین کی مائیں کہا تو کیا اب یہ آیت نادانی میں ایسی بات کہنے والوں کے مومن ہونے کی شہادت نہیں۔ ہاں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص اس کا تصوّر تک کرے وہ یقیناً کافر ہو گا صحابی نہ ہو گا۔

بشیر حسین مذکور نے صـ۷ پر تفسیر کبیر سے جو عبارت نقل کی اس کے ان الفاظ کو دیکھیں :-

ان بعض النّاس قیل ھو طلحۃ بن عبیداللہ قال .... الخ

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ حضرت طلحہؓ کا نام لفظ قیل سے ذکر کیا گیا ہے جو ضعف مقولہ پر دلالت کرتا ہے۔ کسی سند صحیح سے ثابت نہیں کہ حضرت طلحہؓ نے یہ بات کہی ہو۔ پھر بشیر حسین موصوف اسے اس طرح نقل کرتا ہے گویا یہ بات کسی صحابیؓ نے حضورؐ کی وفات کے بعد کہی ہے وہ لکھتا ہے :-

"ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے حضورؐ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کے ارادے کیئے" صـ۱۴

یہ کھلا جھوٹ ہے اور صحابہؓ پر افتراء ہے۔ کتاب کا حوالہ غلط پیش کیا ہے۔ کسی شخص نے حضورؐ کی وفات کے بعد نہ اس کا ارادہ کیا نہ یہ بات کہی نہ کوئی مسلمان یہ بات کہہ سکتا ہے۔ ازواجِ مطہرات کے اُمہات المومنین قرار دیئے جانے سے پہلے کسی نے یہ کہا ہو تو یہ البتہ کفر نہ ہو گا۔

(۴) خلفائے راشدینؓ میں سے ایک نے حضورؐ کی حیات میں شراب پیئے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی۔ اس میں سورۃ کافرون پڑھی اور اسس میں وہ چار دل لا بھول گئے۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ اے مومنون نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔

فقدّموا علیاً یصلّی بھم المغرب فقرأ قل یاایّھا الکافرون اعبد ما تعبدون۔ (ابن جریر جلد ۵ صـ۳۴)

ترجمہ۔ سو انہوں نے انہیں آگے کیا کہ مغرب کی نماز پڑھائیں۔ آپ نے قرأت اس طرح کی اور لا بھول گئے۔ قل یاایّھا الکافرون اعبد ما تعبدون — (لا چھوڑ دیا)

عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ قال صنع لنا عبد الرحمٰن بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ طعامًا فدعانا وسقانا من الخمر فاخذت الخمر منا وحضرت الصلوٰۃ فقدمونی فقرأت قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون۔

(اخرجہ ابو داؤد والترمذی وحسنہ والنسائی والحاکم وصححہ روح المعانی جلد ۵ ص ۳۴)

اگر یہ واقعہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے تو آپ ہی بتائیں اس میں کیا خرابی لازم آئی بلکہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب ہو گیا۔ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ (پ ۵ النساء) اب اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صحابہؓ میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ تھے ہرگز صحیح نہیں۔ تکمیلِ شریعت کے دوران اس قسم کے واقعات اگر صحابہؓ سے سرزد ہوں تو یہ مابعد میں اُن کے لیے کسی طرح قدح کا موجب نہیں ہو سکتے۔

⑤ منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی اور آزاد کردہ غلام مسطح اور حضرت حسان بن ثابتؓ) ان کی باتوں میں آ گئے۔ یہ تربیت کے دوران کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنینؓ کی برأت قرآن کریم میں نازل فرمائی۔ بعض صحابہؓ کا ان منافقین کی باتوں میں آنا تکمیل شریعت کے دوران تھا اور یہی ان آیات کا شانِ نزول بنا۔ اور ہم یہ بات واضح کر آئے ہیں کہ تکمیل شریعت کے دوران کسی صحابی کی کوئی غلطی موجبِ قدح نہیں رہتی۔ تربیت کے دوران کی کوئی غلطی تربیت پانے کے بعد پھر کسی سے صادر نہیں ہوئی اور ان غلطیوں کے سبب کبھی کوئی صحابی صحابیت سے نہیں نکالا گیا۔ نہ حضورؐ کے سامنے کسی کو صحابیؓ قرار دینے کے دو معیار تھے۔

⑥ بشیر حسین مذکور لکھتا ہے :-

"ایسے صحابی بھی تھے جو نبی کریم کو میدانِ جنگ میں اعداء کے نرغے میں چھوڑ گئے۔" (ص ۱۴ سطر ۶)

یہ واقعہ دورانِ تربیت کا ہے اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں پہ مطلع تھے اس لیے اللہ نے قرآن میں اسے لغزش قرار دیا ہے گناہ نہیں کہا (پ ۴ آل عمران آیت ۱۵۵) اور لغزش وہی ہے جس میں بدنیتی نہ ہو۔ پھر قرآن کریم میں اسی جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور آگے جا کر اپنے محبوب کو بھی فرمایا کہ انہیں معاف کر دیں۔

مگر افسوس کہ شیعہ ابھی تک انہیں معاف نہیں کر رہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے تمام واقعات تکمیلِ شریعت کے دوران کے ہیں اور اہل السنّۃ والجماعۃ جو انہیں آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے مانتے ہیں ان کی وہ زندگیاں اس تکمیل کے بعد کی ہیں۔ ستارے تبھی دیکھے جاتے ہیں جب سورج سامنے نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ان کے بارے میں فرمایا۔ وشاورھم فی الامر (آیت ۱۵۹) کہ انتظامی امور میں ان سے مشورہ لے کر چلیں ——— امورِ سلطنت میں مشورہ لینے کا اصول قرآن کریم (پ ۲۵ سورۃ شوریٰ آیت ۳۷)

میں مذکور ہے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ حقیقت مبرہن ہو جاتی ہے کہ جنگ احد میں پھسلنے والے مومنین تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے جن سے مشورہ لینے کا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا ہے۔

⑦ بشیر حسین مذکور لکھتا ہے :-

"ایسے صحابی بھی تھے جن کے ہاتھ خونِ عثمان سے رنگین ہوئے۔" (ص ۱۴ سطر ۱۳)

یہ بھی کھلا جھوٹ ہے جن لوگوں کے ہاتھ خونِ عثمانؓ سے رنگین ہوئے۔ ان میں ایک بھی صحابی نہ تھا حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتا ہے :-

فھذا لا یصح عن احد من الصحابۃ انہ رضی بقتل عثمانؓ بل کلھم کرھہ ومقتہ وسبّ من فعلہ۔ (البدایہ جلد ۷ ص ۱۹۸)

ترجمہ۔ یہ بات صحابہؓ میں سے کسی سے ثابت نہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے خوش ہوا ہو بلکہ ہر ایک نے اسے ناپسند کیا اسے بُرا جانا اور جنہوں نے یہ کیا اسے نہایت بُرا کہا۔

⑧ بشیر حسین یہ بھی لکھتا ہے :-

"ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے حضورؐ پر تہمت ہذیان لگائی۔" (ص ۱۴ سطر ۸)

معترض نے نہ اس صحابی کا نام ذکر کیا ہے نہ اس پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا صفحہ نمبر دیا ہے۔ اس روایت میں پہلے ہمزہ استفہام انکاری موجود ہے ——— (دیکھیے صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۸) جس کا مطلب یہ ہے کہ کیا آپ کو ہذیان ہو گیا ہے؟ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ——— اگلا جملہ استفھموہ (کہ آپ سے بات زبانی سمجھ لو) بتلاتا ہے کہ یہاں استفہام انکاری ہے۔ کیونکہ ہذیان والے شخص کے بارے میں کوئی نہیں کہتا کہ اس سے بات سمجھ لو ——— شارحین حدیث نے یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا صراحت سے ذکر کیا ہے۔ اسے اثبات میں لینا اثنا عشریوں کا کھلا جھوٹ ہے

⑨ بشیر حسین یہ بھی لکھتا ہے :-

"ایسے صحابی بھی ہیں جنہیں بروزِ قیامت فرشتے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی جانب لے جا رہے ہوں گے تو حضورؐ فرمائیں گے کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔" (ص ۱۴ سطر ۱۹)

اس روایت میں اصحابی کا لفظ اپنے اصطلاحی معنی معیّت حضورؐ میں رہنے والے (والذین معہ) میں نہیں عام افرادِ امّت کے معنی میں ہے گو وہ کسی دور کے ہوں اور حضورؐ کے صدیوں بعد آئے ہوں۔ حضورؐ کا ان کو پہچاننا اُن کے آثارِ وضوء سے بھی ہو سکتا ہے جن سے آپ اپنی ساری امت کو پہچانیں گے معترض اس روایت

کو اگر اس کے دوسرے طرق میں بھی دیکھتا تو اسے یقیناً پتہ چل جاتا کہ یہ حضورؐ کے ان عام امتیوں کے بارے میں ہے جو دین میں بدعات پیدا کریں گے وہ ایک وقت کے لوگ نہیں مختلف طبقوں سے ہوں گے۔ انہی کو فرشتے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی جانب لے جائیں گے نہ کہ ان حضرات کو جو حضورؐ کے ساتھ تھے اور آپ کی معیت میں رہے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت میں ہے۔ انھم منی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔ (بخاری) وہ لوگ میری امت سے ہوں گے۔ لسانِ شریعت کے محاورہ منی کو سمجھنے کے لیے یہ حدیث سامنے رکھیں۔ من غش فلیس منا۔ (جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی اس امت سے نہیں) سو وہاں اصحابی کا لفظ منّی کے معنی میں ہے نہ کہ وہ لوگ جنہیں اصطلاحاً اصحابِ رسول کہا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں ہے:۔

لیردن علي اقوام۔ (بخاری) میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی۔

یہاں لفظ اصحابی نہیں اقوام کا لفظ ہے۔ سو وہاں لفظ اصحابی عام اقوام کے معنی میں ہے جو مختلف ادوار اور مختلف علاقوں سے ہوں گی حضورؐ ان کو ان کے آثارِ وضوء سے پہچان لیں گے۔ مگر وہ بدعتی لوگ ہوں گے جنہوں نے حضورؐ کے بعد مختلف زمانوں میں مختلف بدعات ایجاد کیں۔

حضرت اسماءؓ کی روایت میں ہے:۔

فیوخذ بناس من دونی فاقول امتی فیقال لاتدری مشوا علی القھقری۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۴۵)

ترجمہ۔ میرے ورے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔ میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں۔ کہا جائے گا آپ نہیں جانتے یہ کیسے اُلٹے پاؤں پھرے (بدعات ایجاد کیں)۔

یہاں امتی کا لفظ صریح طور پر وارد ہے۔ سو وہاں اصحابی امتی کے معنی میں ہے نہ کہ صحابی کے اصطلاحی معنی میں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:۔

لیرفعن الی رجال منکم۔ میرے پاس تم میں سے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔

یہ تعمیم الفاظ بتاتی ہے کہ وہ اس امت کے کچھ افراد ہوں گے نہ یہ کہ وہ جنہیں اصطلاحاً اصحابِ رسول کہتے ہیں وہ بدعات اختیار کریں گے۔

صحیح بخاری کی ان روایات کے بعد صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۲۷ میں بھی دیکھ لیجئے:۔

فاقول رب انھم من امتی فیقال ماتدری ما احدثوا بعدک۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں جو شخص بھی دین میں کوئی بدعت پیدا کرے گا وہ اس حدیث کی رو سے حوضِ کوثر

سے محروم رکھا جائے گا۔ سو یہ لوگ کسی ایک دور سے خاص نہیں تحذیر عام ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:۔

کل من احدث فی الدین فھو من المطرودین عن الحوض کالخوارج والروافض و سائر اھل الھدی۔

ترجمہ۔ ہر وہ شخص جو دین میں کوئی نئی بات لائے وہ حوضِ کوثر سے دُھتکارا جائے گا جیسے خارجی اور شیعہ اور دوسرے بدعتی۔

اس روایت کے ان طرق اور اس شرح کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ علم اصحابی کے الفاظ کو کبھی اصطلاحی معنی میں نہ لے گا۔ اس سے عام افرادِ امت مراد ہیں نہ کہ والّذین معہ (پ۲۶ الفتح آیت ۲۹) جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

(نوٹ) اس روایت میں یہ چیز واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر کی اس حاضری کے موقع تک ان لوگوں کو اپنے آدمی سمجھتے ہوں گے۔ پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب ہو گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے کیا کیا بدعات گھڑیں ـــــ شیعہ جن صحابہؓ کو بُرا کہتے ہیں ان کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ شروع سے انہیں منافق سمجھتے تھے آپ کو (معاذ اللہ) ان کا کفر معلوم تھا۔ اب یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ یہ لوگ انہیں اس حدیث کے سائے میں مطرود قرار دینا چاہتے ہیں اور یہاں کہتے ہیں حضورؐ انہیں جانتے نہ تھے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

شیعوں کی غلط بیانی اور مغالطہ دہی کی تردید میں یہ چند اجمالی جوابات ہدیہ قارئین ہیں۔ اراکین اسمبلی ان سے شیعوں کے اعتقاد و عمل کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تفصیل درکار ہو تو ان موضوعات پر مزید بحث آگے مطالعہ فرمائیں۔

ارکانِ اسمبلی کی خدمت میں فکری گذارش

بشیر حسین کی طرف سے پمفلٹ "معیارِ صحابیت" کے نام سے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے وہ اسی قسم کی متشابہ اور مشکوک روایات پر مشتمل ہے۔ کسی روایت کو اس روشنی میں نہیں سمجھا گیا جو شارحین نے اس کی وضاحت میں اختیار کی ہے۔ پھر اس کی بیشتر روایات سند اور صحت سے عاری ہیں۔ اس قسم کی بے سر و پا روایات اور غلط تشریحات سے فرقہ وارانہ بدامنی کو روکنے کا بل "تحفظ ناموسِ صحابہ" روکا نہیں جا سکتا۔

ایمان کے بارے میں شیعی مغالطہ

چونکہ ایمان اندر کی کیفیت کا نام ہے اس کے لیے محض اعلان اور کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں۔ اس لیے ہر کلمہ گو کے بارے میں شک ہو سکتا ہے کہ وہ اندر سے مومن ہے یا نہیں ـــــ یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس سے ہر مسلمان کو ایمان کی جہت سے مشتبہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور ہر مسلمان پہ کسی بہانہ سے منافقت کا لیبل چسپاں کیا جا سکتا ہے۔

اسلام حضورؐ کی امت کو کیا ایسی مشکوک اور متشابہ صورت میں چھوڑتا ہے کہ ہر کسی کی پوزیشن مشکوک رہے یا اسلام نے اس کا کوئی حل بھی پیش کیا ہے جس سے امت کسی سکون اور اطمینان سے چل سکے؟

حل الاشکال

① آخرت میں جنت صرف مومنوں کے لیے ہے صرف ظاہری اسلام رکھنے والوں کے لیے نہیں ہو جن حضرات کے بارے میں حضور خاتم النبیینؐ نے جنتی ہونے کی بشارت دی وہ یقیناً مومن ہیں اور اگر وہ حضورؐ کے ساتھ رہے تو یقیناً صحابی ہیں۔ حضورؐ کا ان کے جنتی ہونے کی خبر دینا ان کے مومن ہونے کی خبر ہے۔ صحابیت کا یہ شرف حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چاروں کو حاصل تھا۔

② صدیق اور شہید بدون ایمان یہ مرتبے نہیں پا سکتے نہ صدیقیت کا نہ شہادت کا سو حضور ختمی مرتبتؐ نے جن حضرات کے صدیق اور شہید ہونے کی گواہی دی وہ یقیناً مومن ہیں۔ وہ حضورؐ کے ساتھ رہے تو صحابی ہیں ـــــ اس پہلو سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ یقیناً مومن اور صحابی ہیں اور ان کے ایمان میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ـــــ ورنہ حضورؐ کی تکذیب لازم آئے گی۔

③ اسلام میں نکاح کے لیے مومن ہونے کی شرط ہے۔ مومنہ عورت کسی کافر کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔ تنکحوا المشرکین حتیٰ یومنوا (پ۲ البقرہ آیت ۲۲۱) میں نکاح کے لیے مومن ہونے کی شرط لگائی گئی ہے:۔

فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم و لا ھم یحلون لھن۔ (پ۲۸ الممتحنہ آیت ۱۰)

ترجمہ۔ پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ وہ ان کے لیے حلال نہیں نہ وہ کافر ان مومنات کے لیے خاوند بننے کے لائق ہیں۔

سو نبیؐ اور علیؓ نے جن جن مردوں کو رشتے دیئے تو یہ نکاح ان کے ایمان اور ان کی اندرونی کیفیت کی تصدیق شمار ہوں گے اور پھر ان کے ایمان میں شبہ نہیں کیا جا سکے گا۔

نبیؐ نے حضرت عثمانؓ کو رشتے دیئے۔ حضرت علیؓ نے اپنی بیوہ بھاوج کا رشتہ حضرت ابوبکرؓ سے کرایا اور اپنی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ حضرت عمرؓ سے کیا ـــــ سو یہ نکاح ان حضرات کے ایمان اور ان کے دل کی اندرونی تصدیق کے ضامن ہوں گے اور ان کے مومن ہونے کا اقرار لازم ہوگا ـــــ اب ان کے صحابی ہونے میں کوئی اشکال نہ رہے گا۔ اس جہت سے بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ یقیناً مومن اور صحابی ہیں۔

④ سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ ان صحابہؓ میں سے ہیں جن کی شیعہ بھی عزت کرتے ہیں جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت ام المومنینؓ کے بارے میں یہ فیصلہ دیا تھا۔

ولھا بعد حرمتھا الاولیٰ۔ (نہج البلاغہ جلد۲ ص)

ترجمہ۔ آج کے بعد بھی حضرت عائشہؓ کا وہی احترام ہوگا جو پہلے تھا۔

صحابی رسول حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں:۔

ان عائشۃ قد سارت الی البصرۃ واللہ انھا لزوجۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا والاٰخرۃ۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۵۲)

ترجمہ۔ بے شک حضرت عائشہؓ بصرہ گئی ہیں بخدا یہ نبی پاک کی زوجہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہیں۔

دنیا اور آخرت میں زوجۂ رسول ہونے کی یہ خبر حضرت ام المومنینؓ کے ایمان کی ایک نہایت روشن دلیل ہے۔ اگر ان کا انجام ایمان پہ نہ ہو تو وہ آخرت میں کس طرح حضورؐ کی زوجہ ہو سکتی ہیں؟

⑤ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایمان اور نیک اعمال بجا لانے والے صحابہؓ سے خلافت کا وعدہ کیا تھا۔ دنیا گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خلافت کا یہ وعدہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ پہ پورا ہوا۔ سو قرآن کی یہ آیت (پ۱۸ النور آیت ۵۵) ان حضرات کے ایمان پہ ایک کھلی شہادت ہے۔ اگر یہ ایمان والے نہ ہوتے تو کس طرح انہیں قرآن کریم کی موعود خلافت ملتی۔

ان پانچ شہادتوں کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تصدیق قلبی اور ایمانی کیفیت نکھر کر سامنے آتی ہے اور محض اس لیے کہ منافق بھی آپ کی مجلس میں آ کر کلمہ

پڑھتے تھے۔ یہ اندیشہ ہرگز ان حضرات کے ایمان کو مشتبہ نہیں کر سکتا۔ سو ان حضرات کے کامل الایمان صحابی رسول ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اور پاکستان میں فرقہ وارانہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے آئینی طور پر ان کی ناموس کا تحفظ ضروری ہے۔

قرآن پاک کی رُو سے منافقوں کی پہچان

قرآن کریم کے پہلے پارے کے شروع میں منافقوں کی مفصل داستان ملتی ہے۔ اس میں مذکور ہے:۔

اذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفھاء۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لاتے ہوئے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین کے دعوے اسلام سے پہلے مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ضرور موجود تھا ین کا اسلام معروف تھا اور وہ لوگ آئندہ مسلمان ہونے والوں کے لیے ایک معیار کی حیثیت رکھتے تھے منافقوں کا مسلمانوں میں گھسنا یہ بعد کا ایک عمل ہے۔ مومنین کا وجود پہلے سے ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ سابقین اولین کے دامن پہ نفاق کا کوئی چھینٹا نہیں۔ وہ سب کے سب حقیقی معنوں یں مسلمان اور مومن تھے۔ ورنہ قرآن کریم ان کے ایمان اور منافقین کے دعوے ایمان کا اس ترتیب سے ذکر نہ رتا۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چاروں ایمان اتے ہوتے تھے اور انہی حضرات کے ایمان کو آئندہ کے لیے ایمان کی کسوٹی سمجھا گیا۔

جب کوئی تحریک شروع ہوتی ہے تو اس کا پہلا دور محنت و تکلیف اور ہموم و مصائب کا دور ہوتا ہے وئی مخالف ایسا بے وقوف نہیں ہوتا جو اس وقت محض مار کھانے کے لیے ان میں شامل رہے۔ ہاں جب اس ی کامیابی کے کچھ آثار کھلنے لگیں تو پھر بعض مخالف اس میں گھس کر ففتھ کالم کا کام کرنے لگتے ہیں۔ پس وہ لوگ و سب سے پہلے مسلمان ہوتے جیسے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عثمانؓ ور حضرت بلالؓ وغیرہم ان تمام حضرات کا دامن شائبہ نفاق سے کلیتہً پاک سمجھا جائے گا۔ منافقین کے دعوے یمان کو کاٹنے کے لیے قرآن کریم انہی سابقین اولین کے ایمان کو بطور معیار پیش کرتا ہے۔

(۱) منافقوں کا دوسرا نشان یہ ہے کہ مکہ کے رہنے والے نہ ہوں۔ مدینہ یا اس کے مضافات کے رہنے والے

ہوں۔ مدنی زندگی میں ہی اسلام کو قوت حاصل ہوئی تھی اور اسی دور میں منافقوں کو مسلمانوں میں گھسنے کی ضرورت تھی۔

ومّمن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق۔

(پ ۱۱ التوبہ رکوع ۱۲ آیت ۱۰۱)

ترجمہ۔ تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ کے ہیں جو منافقت پہ اڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ نفاق کا فتنہ مسلمانوں کی مدنی زندگی میں ہی اُبھرا تھا۔ پس جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوتے تھے جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے مکی مسلمان وہ سب کے سب نفاق کے ہر شائبے سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ منافقین کے لیے مدینہ کے مضافات یا اہل مدینہ میں سے ہونا ضروری ہے۔

(۲) منافقین جو مسلمانوں کی مخبری کے لیے اس دائرہ میں گھستے تھے اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنے سے پوری طرح گریزاں تھے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا نہ کہ کسی قسم کا فائدہ دینا۔ اس سلسلہ میں وہ بڑے محتاط تھے۔ سو وہ خرچ کرنے والے کسی صورت میں نہ ہو سکتے تھے۔

ھم الّذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتّٰی ینفضّوا وللّٰہ خزائن السّمٰوات والارض ولکن المنافقین لا یفقھون۔ (پ ۲۸ المنافقون)

ترجمہ۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان پر جو رسول اللہ کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ یہ متفرق ہو جائیں۔ اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے زمین اور آسمان کے۔ لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یأمرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم۔ (پ ۱۰ التوبہ ع ۹)

ترجمہ۔ منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی چال ایک ہے۔ بُری باتیں سکھاتے ہیں اور بھلی باتیں چھڑاتے ہیں اور موقعہ پر اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں۔

قرآن کریم کی نشاندہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے آنحضرتؐ پر اور مہمات اسلام پر اپنا مال خرچ کیا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہما من الاکابر یہ سب پکے مومن تھے۔ ان کی سیرت شبہ کے ہر شائبہ سے پاک اور پوری طرح محفوظ سمجھی جائے گی۔

منافقین کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ حضورؐ پر کچھ خرچ نہ کرتے ہوں۔ نیز یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ منافقین نمایاں طور پر نیک کام سے دُور تھے اور بُرے کاموں میں عمداً کوشاں رہتے تھے۔ اکابر صحابہ کرامؓ کا عمل بالمعروف اس قدر نمایاں تھا کہ ان کی سیرت کی چادر نفاق کے ہر چھینٹے سے بالکل پاک نظر آتی ہے۔ علامہ ابن میثم بحرانی نہج البلاغۃ کی شرح میں حضرات خلفاء ثلٰثہ اور امیر معاویہؓ میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ان الفرق بین الخلفاء الثلٰثة وبین معاویة فی اقامة حدود الله والعمل بمقتضی اوامره ونواهیه ظاهر۔

ترجمہ۔ خلفاء ثلٰثہ اور امیر معاویہؓ کے زمانۂ حکومت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ خلفاء ثلٰثہ اقامت حدود الٰہی میں اور اوامر و نواہی کے تقاضوں پر عمل کرنے میں پُوری طرح کوشاں تھے۔

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

(۳) آنحضرتؐ کے زمانے میں منافقوں نے ایک علیحدہ مسجد تعمیر کی اور اسے مستند قرار دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی۔ اس پر اللہ رب العزت نے آپ کو ہدایت فرمائی۔

لا تقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقوٰی من اول یوم احق ان تقوم فیه۔ فیه رجال یحبون ان یتطهروا۔ (پ۱۱ التوبہ آیت ۱۳)

ترجمہ۔ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ وہ مسجد جس کی بُنیاد پہلے دن سے ہی پرہیزگاری پہ رکھی گئی ہو آپ کا حق یہی ہے کہ وہیں کھڑے ہوں اس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو پاک رہنے کو ہی پسند کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی اس نشاندہی سے پتہ چلا کہ آنحضرتؐ کی مسجد مبارک کی تعمیر میں شریک ہونے والے اور پھر اس میں حضور اکرمؐ کے ساتھ رہنے والے ـــــ نمازوں میں آپ کے ساتھ رہنے والے ـــــ اور اس مسجد میں تعلیم و تربیت پانے والے سب کے سب پکے مومن تھے۔ اگر اس مسجد کے بسانے والوں پہ بھی نفاق کا کوئی دھبہ ہوتا تو اللہ رب العزت منافقوں کی مسجد میں جانے سے حضور اکرمؐ کو اس طرح منع نہ فرماتے۔ پس منافقوں کی بنیادی علامت یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ سے قلیل المخالطت ہوں، آپؐ سے اکثر ملنا جُلنا نہ ہو اور اُن پر والذین معه کے الفاظ دلالتِ مطابقت قائم نہ کریں۔

(۴) منافقوں کی ایک واضح علامت یہ ہے کہ وہ انجام کار مغلوب ہوئے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو گئے ہوں۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں آخر دم تک مسلمانوں کے اہم اُمور میں دخیل

اور کارفرما رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ مسلمانوں کا مرکز بنے وہ سب بالیقین پکے مومن تھے۔ ان کے دامنِ سیرت پہ نفاق کا کوئی دھبہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے بڑی ذمہ داری سے اس کا اعلان کیا ہے:-

لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینک بهم ثم لا یجاورونک فیها الا قلیلاً ملعونین ایںما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ (پ۲۲ احزاب ع ۸)

ترجمہ۔ اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے تو ہم تمہیں ان سب پہ مسلط کر دیں گے پھر وہ تیرے ساتھ مدینہ میں رہ بھی نہ سکیں گے مگر تھوڑے دن اور ان دنوں میں بھی وہ ملعون ہو کر ہی رہیں گے جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور مارے جائیں گے۔

(۵) منافقین کا ایک نشان یہ ہے کہ ان کی زندگیوں میں تسلسل نہیں ہوتا اور ان کی سیرت شب و روز بدلتی ہے ایسے منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے :-

وقالت طائفة من اهل الکتاب اٰمنوا بالذی انزل علی الذین اٰمنوا وجه النهار واکفروا اٰخره لعلهم یرجعون۔ (پ۳ آل عمران ع ۸)

ترجمہ۔ بعض اہل کتاب نے سکیم بنائی کہ جو اُترا ہے مسلمانوں پہ اُسے صبح کو مان لو اور شام کو اس کا انکار دو۔ شاید کچھ اور لوگ بھی اس طرح اسلام سے پھر جائیں۔

ان المنافقین یخدعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالٰی یراءون الناس ولا یذکرون الله الا قلیلا ٭ مذبذبین بین ذٰلک لا الٰی هٰؤلاء ولا الٰی هٰؤلاء۔ (پ۵ النساء ع ۱۸)

ترجمہ۔ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کو تو کھڑے ہوتے ہیں سُستی سے لوگوں کے دکھانے کو۔ یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر برائے نام مذبذب ہیں دونوں کے بیچ۔ نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔

ان کی نماز کے لیے سُستی محض ایک عمل کی سُستی نہ تھی جیسے کہ آج کل کے بے نماز مسلمانوں میں یہ عملی سُستی پائی جاتی ہے بلکہ اس کی وجہ بدنیتی تھی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا تھا۔ اسی طرح ان منافقوں کا جنگ کے وقت کنارہ کش ہونا بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ دوسرے مسلمانوں کو بدگمان کرنا ہوتا اور افواجِ اسلام کو نقصان پہنچانا تھا۔ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا بکھر جانا ایک غلط فہمی سے ہوا اور زیادہ سے زیادہ

سے ایک طبعی کمزوری پر محمول کیا جا سکتا ہے مگر جنگ میں ایک پورے فریق کی کنارہ کشی کمزوری کی وجہ سے نہیں، ایک سازش اور منافقت کے نتیجہ میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ رب العزت کا معاملہ بھی ان دونوں موقعوں پر ان سے مختلف رہا ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات پر منافقت کا عمل ختم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات منافقین کچھ مدت اُمید لگائے بیٹھے رہے کہ شاید ہم شجر اسلام کو اپنی منافقانہ کارروائیوں سے اُکھاڑ پھینکیں لیکن آنحضرتؐ کا کامیاب سفرِ آخرت ان منافقوں کو ناکام کر گیا۔ اب یہ شجرۂ خبیثہ خود اُکھڑ کر رہ گیا۔ منافقین بُری طرح ناکام ہوئے۔ اب وہ یہ سلسلہ ہی چھوڑ گئے اور کھُلے کافروں میں جا ملے۔ اب کوئی منافق نہ رہا۔ لوگ یا مسلمان تھے یا کافر کوئی اور دائرہ عمل کارفرما نہ رہا۔ منافقین کا کُفر اب کھُلے کفر میں آ چکا تھا۔

حضورؐ کی خلافت بلافصل قائم ہوئی اور اس مضبوط حکومت نے ان تمام منافقوں کے پر و بازو پوری طرح کاٹ دیئے۔ عقیدہ ختمِ نبوت میں چور دروازے تلاش کرنے والے بھی ناکام ہوئے اور منکرینِ زکوٰۃ کو بھی مضبوط خلافت نے کسی کام کا نہ چھوڑا اور یہ خلافت بلافصل ایک دوسرے کو ملتی رہی۔ درمیان میں کوئی دورِ بغاوت نہ رہا شیعہ اس کے برعکس حضورؐ کے اقتدار اور حضرت علیؓ کے اقتدار میں ۲۶ سال کا فصل مانتے ہیں اور ان کے علم و عقل کی داد دیجیے کہ نعرہ پھر بھی خلیفۃ بلافصل کا لگاتے ہیں۔ اس کی تفصیل کے لیے اس پمفلٹ کا آخری صفحہ ملاحظہ فرمائیں۔

صحابی رسول حضرت حذیفہؓ صاف لفظوں میں اس بات کو واضح کر گئے:۔

انما کان النفاق علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما الیوم فانما ھو الکفر بعد الایمان۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۴)

ترجمہ۔ بے شک نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو تھا لیکن اب وہ کھُلا کفر ہے ایمان کے مقابلہ میں۔

منافق جب کھُل جائے بات چھُپانی چھوڑ دے تو وہ کھُلا کافر ہو جاتا ہے —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کچھ منافقین باقی بھی رہے تو وہ آپ کی وفات کے بعد اب کھُلے طور پر کُفر کے پلیٹ فارم پر آ گئے تھے۔ نفاق نہ رہا تھا۔

صحابیّت خُود ایک شرف ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں صحابیت خود ایک شرف ہے جو کسی علمی کمال یا عملی محنت پر مبنی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علم ہو یا حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کا عمل، علم و عمل کا کوئی کمال صحابیت کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے صرف ایمان اور صحبتِ رسولؐ شرط ہے۔ جس نے ایمان کے ساتھ بحالتِ بیداری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ یہ دولت پا گیا۔ بشرطیکہ پھر اسلام پر ہی اس کی موت ہوئی ہو۔

شیعہ کا عقیدہ در بارۂ صحابیّت

بشیر حسین موصوف اپنی حمایت میں نقل کرتا ہے:۔

"صحابیت بذات خود کوئی منقبت نہیں ہے جب تک کہ صاحبِ صحابیت میں اس منقبت کی اہلیت نہ ہو۔" صفحہ ۱۷

آگے یہ بھی لکھا ہے:۔

"اہلِ تشیع جو اہلِ قبلہ کا ایک حصہ ہیں عدالت کے اعتبار سے ان کے نزدیک صحابی تابعی اور متاخر میں ذاتی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ جو عدالت کا ملکہ وصفت رکھے گا وہی عادل ہو گا چاہے صحابی ہو یا تابعی۔" پمفلٹ مذکور صفحہ ۱۷

جب شیعہ حضرات کے نزدیک صحابیت خود کوئی فضیلت نہیں اور اہل سنت کے ہاں یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے لیے علم و عمل کی کوئی شرط نہیں۔ ایمان کے ساتھ صرف صحبتِ رسول شرط ہے۔ تو ظاہر ہے کہ صحابیت کا معیار بیان کرنے کا حق صرف اہل السنۃ کو ہو گا شیعہ کو نہیں۔ کیونکہ وہ سرے سے اسے کوئی فضیلت نہیں سمجھتے۔ پس اس کا معیار مقرر کرنے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں۔ ممبرانِ اسمبلی اس پر غور فرمائیں۔

اندر کا ایمان یہاں اسلام سے ظاہر ہوتا ہے

ایمان ایک اندر کی حقیقت ہے جو بذریعہ اسلام ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی شخص کسی کے اندر کی بات کو از خود

نہیں جان سکتا، سو یہ صرف اسلام ہے جس کے ذریعہ اس اندر کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ جب تک کسی مسلمان کے بارے میں یہ نہ ثابت ہو جائے کہ اس نے قطعیاتِ اسلام میں سے کس کا انکار کیا ہے۔ ہم اسے مومن ہی سمجھیں گے یہ نہ کہیں گے کہ وہ صرف مسلم ہے مومن نہیں۔

مومن ہم صرف اسے کہہ سکیں گے جو دعوے اسلام کے ساتھ قطعیاتِ اسلام میں سے کسی کا درپردہ انکار نہ کرے جب تک ایسا نہ ہو یہ دینِ متین اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ہر کلمہ گو کے بارے میں شک کرتے رہیں کہ وہ اندر سے مومن ہے یا نہیں ـــــ اور اسے صرف مسلم کہیں اور مومن نہ جانیں۔

بشیر حسین موصوف لکھتا ہے :-

"اسلام لانا زبانی چیز ہے جو بھی زبان سے لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دے وُہ مسلمان ہے اور یہ نفاق کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے۔" ص ۲۹

اہل سنّت کے ہاں نفاق اور اسلام جمع نہیں ہو سکتے۔ جب کسی کے نفاق کا پتہ چل جائے تو اب اسے مسلمان نہ کہا جائے گا منافق کہا جائے گا۔ اسلام صرف زبانی کلمہ پڑھنے کا کام نہیں دلی تصدیق اس کے ساتھ لازمی ہے۔ جب کسی کا نفاق کھُل جائے اور پتہ چل جائے کہ اسے تصدیق قلبی حاصل نہیں تو اب مسلمان سمجھنے کی ہمارے ہاں کوئی صورت نہیں ـــــ ہاں نفاق اعتقادی نہ ہو عملی ہو تو یہ اسلام نہیں ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے۔

آپس میں قتال کرنا کوئی اچھی بات نہیں ایک عملی نفاق ہے۔ اس میں جو لوگ مبتلا ہوئے قرآن کریم انہیں بھی مومن کہتا ہے۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ باغی دائرہ اسلام سے باہر نہیں نکلتا وہ باایں ہمہ عمل بغاوت مومن ہے اور سب مومن بھائی بھائی ہیں :-

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰی ھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓءَ الیٰ امر اللہ..... انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔ (پ ۲۶ الحجرات آیت ۹)

ترجمہ۔ اور اگر مومنوں کے دو فریق آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کراؤ پس اگر ان میں ایک باغی ہو دوسرے پر تو تم اس سے لڑو جو باغی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے..... بے شک مومن جو ہیں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرائے رکھو۔

اور تو اور خود حضرت علی المرتضیٰؓ سے لڑنے والوں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فرمایا اور انہیں دائرہ اسلام سے باہر نہ کیا۔ آپؐ نے حضرت حسنؓ کی منقبت میں فرمایا :-

انّ ابنی ھٰذا سیّد ولعلّ اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین رواہ البخاری۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۹)

ترجمہ۔ بے شک میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے۔

یہ صلح کون سی ہے؟ وہی جو حضرت علیؓ کے پیروؤں اور حضرت معاویہؓ کے پیروؤں میں ہوئی۔

حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھ لڑنے والوں کو کافر یا منافق نہیں کہا۔ خود شیعہ کی کتاب قرب الاسناد میں ہے :-

انّ علیّاً علیہ السلام لم یکن ینسب احدًا من اھل حربہ الی الشرک ولا الی النفاق ولکن یقول ھم اخواننا بغوا علینا۔ (قرب الاسناد لعبداللہ بن جعفر الحمیری ص ۴۵ طبع ایران)

ترجمہ۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ساتھ لڑنے والوں کو کافر نہ کہتے تھے نہ منافق بلکہ کہتے تھے وہ ہمارے ہی بھائی ہیں (یعنی مومن ہیں) جو ہم پر چڑھ دوڑے ہیں۔

آپ نے حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ایمان کی بھی گواہی دی :-

لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۴)

ترجمہ۔ ہم ان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر ایمان رکھنے میں کسی اور چیز کے طالب نہیں اور نہ وہ ہم سے کسی اور چیز کے طالب ہیں۔ دونوں طرف معاملہ ایک جیسا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات کھُل کر سامنے آتی ہے کہ صحابہؓ سب اہل ایمان تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے ساتھی ہوں یا حضرت معاویہؓ کے۔ اُن کے ایمان میں کسی کو کوئی شبہ کرنے کا حق حاصل نہیں رہا ـــــ رہا ان کا حضورؐ کی صحبت میں آنا سو اس تاریخی حقیقت کا کسی کو انکار نہیں۔ پس یہ سب کے سب صحابہؓ ہیں حضرت علیؓ ہوں یا حضرت معاویہؓ سب صحابیت کے شرف کے حامل ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم اور بڑے سے بڑا ولی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔

اگر صحابہؓ میں سے کسی سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے موافق نہ تھا

تو اس سے وہ قطعاً اس شرفِ فضیلت سے نہیں نکلتے۔ ان کی نیکیاں اور رفاقتِ رسول میں قربانیاں ان سب کوتاہیوں کو بہا کر لے جائیں گی۔

قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ نیکیاں کوتاہیوں کو بہا کر لے جاتی ہیں:۔

ان الحسنات یذھبن السیئات ذٰلک ذکریٰ للذاکرین۔ (پ۱۲ ہود آیت ۱۱۴)

ترجمہ۔ بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو — یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔

ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آخرت میں ایمان تولے جائیں گے۔ الوزن یومئذٍ الحق۔ تو جن کی نیکیاں طاعات سے بڑھ گئیں انہیں ان کے گناہ کوئی زک نہ پہنچا سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے:۔

لا تمس النّار مسلمًا راٰنی او راٰی من راٰنی۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ جس مسلمان نے مجھے دیکھا اسے آگ نہ چھوئے گی اور جس نے انہیں دیکھا اسے بھی آگ نہ چھوئے گی۔

صحابیت کے لیے حضورؐ کی صحبت شرط ہے۔ انہیں اسی لیے صحابی کہتے ہیں۔ اگلوں کے لیے صحابہؓ کی اتباع ضروری ہے۔ اس لیے انہیں تابعین کہتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں بعض صحابہؓ سے دورانِ تربیّت نبوی کبھی جو کوتاہیاں ظاہر ہوئیں ان سے ان کا مقامِ صحابیت ہرگز نہیں گرتا۔ حضورؐ نے انہیں کبھی کوئی سخت بات بھی کہی ہو تو وہ تربیت کے دوران کی بات ہے ان جزئیات کے تذکروں سے صحابہؓ کے تقدس کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔

بشیر حسین مذکور نے اپنے اس پمفلٹ میں صحابہؓ کے بارے میں اس قسم کے عنوان اختیار کر کے صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے مگر ایک طالبِ محقق کے سامنے یہ اعتراضات پرکاہ کے برابر وزن نہیں رکھتے اس قسم کے واقعات اگر کبھی ظہور میں آئے بھی تو حضورؐ کے سامنے آئے اور ان پر حضورؐ نے جو ایکشن لیا اور گرفت کی اس سے بڑھ کر ہمیں ان پر کسی اور اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ حضورؐ نے ان میں سے کسی کو دائرہ ایمان یا دائرہ صحابیت سے باہر نہیں کیا۔ بشیر حسین مذکور نے صحابہ کے بارے میں اس قسم کے عنوان قائم کئے ہیں۔

"دین کی بجائے دُنیا کے پرستار صحابی"

بشیر حسین موصوف نے دین اور دُنیا کو متقابل سمجھ رکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ دنیا اور آخرت آپس میں متقابل ہیں اور دین دونوں میں رہ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی یہ دُعا کسی سے مخفی نہیں:۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النّار۔

یہاں دنیا اور آخرت کا تقابل دین اور دنیا کا نہیں۔ مسلمان کے لیے دُنیا کی اچھائی کوئی عیب نہیں اور اس کے ساتھ آخرت کی بہتری بھی جمع ہو سکتی ہے ان میں کوئی تضاد نہیں۔

جنگ میں اگر کسی کی مال غنیمت پر بھی نظر ہو اور آخرت پر بھی تو یہ کوئی عیب نہیں لیکن آخرت پر ہی نظر ہو تو یہ نہایت اُونچا مقام ہے۔ اس وقت صحابہؓ میں دونوں قسم کے لوگ تھے یہ دورِ تربیت تھا مگر تھے دونوں ہی مومن۔ شرفِ صحابیت کی ان میں سے کسی سے نفی نہیں کی جا سکتی۔ بشیر حسین موصوف نے اس پر مذکورہ بالا سُرخی جما کر علم و دیانت کا خون کیا ہے۔ موصوف نے اپنے دعوے پر جو آیت پیش کی ہے اس میں دُنیا اور آخرت کا ذکر ہے دین اور دُنیا کا تقابل نہیں۔ دیکھیے:۔

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین۔ (پ۴ آل عمران آیت ۱۵۲)

ترجمہ۔ کوئی تم میں سے دنیا کی بہتری چاہتا تھا اور کسی کی (صرف) آخرت پر نظر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اُلٹ دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزمائش میں ڈالے اور بے شک وہ تم کو معاف کر چکا اور وہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے۔

بشیر حسین موصوف نے آیت کا خط کشیدہ حصہ نقل نہیں کیا (دیکھو پمفلٹ مذکور ص۳۳ سطر اوّل) تاکہ پتہ نہ چلے کہ یہ دونوں طرح کے صحابہؓ مومنین تھے اور اللہ نے ان کی یہ کوتاہی معاف کر دی ہے اور بے شک وہ مومنین پر فضل فرمانے والا ہے۔ سو یہ دونوں گروہ مومنین کے ہیں۔

بشیر حسین کی بغضِ صحابہؓ سے بھری دوسری سُرخی اس پمفلٹ کے ص۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں:۔

"دُنیا چاہنے والے صحابہؓ کی روش"

موصوف نے اس پر یہ آیت پیش کی ہے:۔

ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون۔ (پ۱۰ التوبہ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور بعضے ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں صدقات بانٹنے میں سو اگر ان کو مل جائے (حسبِ مرضی) تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملے تو وہ ناخوش ہو جائیں۔

موصوف نے جس طرح پہلی سُرخی میں آخر کے الفاظ واللہ ذو فضلٍ علی المؤمنین کو چھوڑ کر مومنین کی آیت منافقین پر لگا دی ہے۔ اس دوسری سرخی میں اس آیت سے پہلی آیت کے یہ الفاظ چھوڑ دیئے تا کہ اس آیت کو صحابہؓ پر لگایا جا سکے۔

یحلفون باللّٰہ انھم لمنکمؕ وما ھم منکم ..... ومنھم من یلمزکَ فی الصدقات۔

ترجمہ: یہ قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ تم میں سے نہیں (منافق ہیں)
اور انہیں میں ہیں وہ جو تجھ کو طعن دیتے ہیں صدقات بانٹنے میں ..... الخ

ان آیات میں صریح طور پر انہیں منافق بتلایا گیا ہے اور وما ھم منکم سے وضاحت کی گئی ہے کہ وہ تم صحابہؓ میں سے نہیں۔ مگر افسوس کہ شیعہ مصنف کو اسے صحابہؓ پر لگانے کو کوئی علمی حیا مانع نہ ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آنے والے جمہور اہل اسلام میں سے تھے۔ یہ چند منافق مسلمانوں کی ہمتوں کو پست کرنے کے لیے اندر گھسے ہوئے تھے ان گنے چُنے آدمیوں سے پُورے لشکرِ اسلام کو منافقوں کی صف میں لانا صرف شیعہ مجتہدوں کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

موصوف نے صٓ۳۴ پر یہ آیت ادھوری نقل کی ہے اور اگلے الفاظ چھوڑ دیتے ہیں اور ترجمے میں اپنی طرف سے خط کشیدہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں تا کہ اس سے منافق مراد لیے جا سکیں:۔

اذ تصعدون ولا تلوون علٰی احد والرسول یدعوکم۔ (پ۴ آل عمران آیت ۱۵۳)

"جب تم چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو حالانکہ اگر دشمن کے مقابلہ میں مارے جاتے تو شہادت کا رُتبہ نصیب ہوتا اگر زندہ رہتے غازی کا اعزاز حاصل ہوتا۔ مگر یہ تو تب تھا کہ اگر ان میں ایمان کی ذرہ بھر بھی رمق ہوتی۔"

یہ خط کشیدہ الفاظ مصنف کا اضافہ ہیں قرآن کے نہیں۔ انہیں اس طرح پیش کیا گیا ہے گویا یہ ماقبل سے متصل ہوں اور آیت کو منافقین پر منطبق کیا جا سکے۔ مصنف نے یہاں قرآن کے جو الفاظ چھوڑے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حالت ان مسلمانوں کی ہے جو جنگ کا نقشہ پلٹنے کی گھبراہٹ میں منتشر ہو رہے تھے اور یہ بے وفائی کے باعث نہ تھا۔ ایسے حالات مسلمانوں کے درہ چھوڑنے کے باعث ہوئے تھے مگر تھے وہ مومن ہی اور ان کے دل حضورؐ کی محبّت سے بھرے تھے اور آخر کار وہ کعب بن مالکؓ کے چلّانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آ جمع ہوئے۔

بشیر حسین موصوف کے چھوڑے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

اذ تصعدون ولا تلوٗن علٰی احدٍ والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غمًّا بغمٍّ لکیلا تحزنوا علٰی ما فاتکم ولا ما اصابکم۔

ترجمہ: جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو پیچھے سے پھر پہنچایا تم کو غم عوض میں غم کے تا کہ تم غم نہ کرو جو ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمہیں پیش آیا۔

اس میں ان صحابہؓ کے دل کی کیفیت بتلائی جو گھبراہٹ میں منتشر ہوئے ان کے دل غم سے بھرے ہوئے تھے کہ فتح شکست سے کیوں بدل گئی۔ وہ منافق ہوتے تو اس شکست پر وہ غمزدہ کیوں ہوتے۔ یہ غم اندر کے ایمان کی خبر دے رہا ہے۔

غم پر غم سے کیا مراد ہے؟ یہ دوسرا غم اس غم کے باعث تھا کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں۔ اس دوسرے غم سے پہلا غم ان کی نظروں میں ہیچ ہو گیا اور یہ دوسرا غم (جو بعد میں اس خوشخبری سے زائل ہو گیا کہ حضورؐ زندہ ہیں) صرف اس لیے تھا کہ پہلے غم کا بوجھ تم سے اُٹھایا جا سکے۔

یہ حضورؐ کے مارا جانے کا غم کیسے ہو سکتا ہے؟ مومنوں کو یا منافقوں کو؟ پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اس دن میدان سے ہٹ جانے والوں اور منتشر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ (پ۴ آل عمران ۱۵۵) معافی کا یہ معاملہ مومنوں سے ہو سکتا ہے یا منافقوں سے۔ مگر افسوس کہ بشیر حسین نے اپنے شیعی بغض میں صحابہؓ پر یہاں یہ افتراء باندھا ہے کہ ان میں (اس دن میدان سے ہٹ جانے والوں میں) ایمان کی ذرہ بھر رمق نہ تھی۔ (استغفر اللہ)

پھر اس کے آگے لکھتا ہے:۔

"ان کو جتا دیا کہ پیغمبر اسلام کے بعد تم ارتداد اختیار کرو گے۔ تمہارا یہ مرتد ہونا اللہ تعالیٰ کا تو کچھ بگاڑ سکتا نہیں۔" (پمفلٹ مذکور صٓ۳۵ سطر ۷)

قرآن کریم کی آیت میں یہ بات بطور خبر نہ کہی گئی تھی۔ یہ ایک سوال تھا جسے شیعی مصنف نے خبر بنا دیا ہے پھر ایک اصُول بتلایا گیا کہ جو اسلام سے پھر جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ یہ ہرگز نہیں کہا گیا تھا کہ تم ارتداد اختیار کرو گے:۔

افان مات او قتل انقلبتم علٰی اعقابکم ومن ینقلب علٰی عقبیہ فلن یضرّ اللّٰہ شیئًا۔

(پ

ترجمہ۔ اگر آنحضرتؐ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھرے وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

استفہام کو خبر بنا دیا (کہ تم ارتداد اختیار کرو گے) اس کا باعث صرف شیعوں کا بغضِ صحابہؓ ہے۔ ورنہ قرآن پاک میں یہ خبر ہرگز نہیں دی گئی۔

معزز ارکان اسمبلی اس شیعی مصنف کے قرآن پاک کی تحریف کرنے کے یہ چند نمونے آپ کے سامنے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ کریں کہ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص کیا قرآن کریم میں اتنی کھلی تحریف کر سکتا ہے۔ اس سے آپ کو پتہ چل جائے کہ یہ لوگ اس قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے۔

حدیث پر مشق تحریف

اب بشیر حسین مذکور کی حدیث پر مشق تحریف ملاحظہ ہو۔ اس نے اس پمفلٹ کے صفحہ ۳۵ پر یہ سُرخی باندھی ہے:۔

"پیغمبر اسلام کے بعد صحابہ کی بد دلی"

اور اس میں حضرت انسؓ کی یہ روایت صحیح بخاری اور جامع ترمذی سے پیش کی ہے۔ حضرت انسؓ حضورؐ کی وفات کے دن کے بارے میں کہتے ہیں:۔

وما نفضنا من رسول اللہ الایدی وانا لفی دفنہ حتی انکرنا قلوبنا۔

(جامع ترمذی مترجم جلد ۲ صفحہ ۵۴۶)

ترجمہ۔ اور ابھی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے سے ہاتھ صاف نہیں کئے تھے اور آپ کے دفن ہی میں تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا۔

اس کی وضاحت میں اسی پر لکھا ہے:۔

"یعنی وہ نورانیت جو آپ کے حضور اور مشاہدہ سے حاصل تھی جاتی رہی"

یہ بات اپنی جگہ واضح تھی لیکن بشیر حسین مذکور کا بغضِ صحابہ سے بھرا اس حدیث کا ترجمہ دیکھیں:۔

"ہم نے ابھی ہاتھوں سے خاک نہ جھاڑی تھی اور آپ کے دفن میں مشغول تھے کہ ہم صحابہ کے دل اسلام سے بدل گئے وہ نور ایمان جو آپ کی حیات میں تھا نہ رہا"

بشیر حسین مذکور نے اس روایت پر صحیح بخاری کا حوالہ دیا ہے یہ جھوٹ ہے۔ یہ روایت سرے

سے اس میں نہیں ــــ اس شیعی مصنف کی ایک اور دل آزار سرخی ملاحظہ کریں اور اندازہ کریں اس کا دل کس قدر بغضِ صحابہؓ سے بھرا پڑا ہے۔ مسلمان انہی وجوہ کے باعث شیعیت کو پوری ملّت کے لیے ایک بار سمجھتے ہیں۔

"سرکاری مال ہڑپ کرنے والا صحابی" (صفحہ ۳۹ سطر ۵)

حضرت ابو حمید الساعدیؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسد کے ایک آدمی کو وصولی صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے نہایت دیانتداری سے دو طرح کے اموال دکھائے۔ ایک مال بیت المال اور دوسرے اس کے اپنے ہدایا اور تحفے ــــ ایسا واقعہ چونکہ پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا اور اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ اس باب میں شریعت کا حکم واضح ہو کہ سرکاری فرد کو جو تحفے ملیں وہ اس کا اپنا حق ہے یا سلطنت کا۔ اس لیے اس عامل نے وہی بات کہہ دی جو وہ تحفے دینے والوں نے اسے کہی تھی کہ یہ سلطنت کا مال ہے اور یہ تمہارے تحفے ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا وہ لوگ اسے یہ تحفے بھیجتے اگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہتا؟ جب ایسا نہیں تو یہ تحفے اور ہدایا بھی سلطنت کے ہوں گے۔ جس نے اسے یہاں سرکاری طور پر بھیجا ــــ اس عامل نے نہ انہیں لینے کی دوبارہ بات کہی نہ ان میں سے کچھ لیا۔ شریعت کا حکم واضح ہو گیا۔ آئندہ کوئی اس طرح کے مال کو اپنے لیے رکھ لے تو حضورؐ نے فرمایا وہ اس مال کو قیامت کے دن اپنی گردن پر لے کر پیش ہو گا۔

(دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۴)

اس روایت میں کہیں نہیں کہ اس عامل نے ان ہدایا کو کہیں چھپا کر رکھا ہو۔ اس نے جو بات تھی نہایت واضح طور پر کہہ دی۔ حضورؐ نے واضح طور پر شریعت کا حکم واضح کیا تو اس نے نہ کوئی ضد کی نہ بلا وجہ اس مال میں سے کچھ لیا۔ مگر بشیر حسین مذکور کا بغضِ صحابہ دیکھئے کتنی دیدہ دلیری اور منہ زوری سے یہ سُرخی جمائی ہے ــــ سرکاری مال ہڑپ کرنے والا صحابی۔ استغفر اللہ

اور پھر لکھتا ہے:۔

"یہ ہے مکتبِ رسالت کے بعض طالب علموں کا حال و کردار۔ وہ حرص و لالچ کے کس قدر مریض تھے" (صفحہ ۳۹ سطر ۱۶)

اس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ تکمیلِ شریعت کے دوران کا ہے۔ ضرورتیں پیدا ہوتی تھیں اور شریعت

کے احکام کھلتے تھے اور صحابہؓ سے جب کبھی کوئی ایسی صورتِ حال واقع ہوئی وہ دورانِ تربیت کی ہے اور یہ ان کا بلند مقام ہے کہ وہ تکمیلِ شریعت میں استعمال ہو گئے۔ مگر یہ بغضِ صحابہؓ کے رسیا ہیں کہ انہیں سرکاری مال ٹھرپ کرنے والا کہتے ہوئے کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے۔

میدانِ جنگ سے واپس ہونے اور قلعے کا محاصرہ نہ توڑ سکنے میں فرق

میدانِ جنگ سے واپس ہونے اور کسی قلعہ کو فتح نہ کر سکنے میں کھلا فرق ہے۔ میدانِ جنگ سے واپس ہونا بیعتِ جہاد کو توڑنا ہے اور کسی قلعے کو فتح نہ کر سکنا اور اپنے مرکز میں واپس آنا کہ اس کے لیے کوئی اور صورت عمل تجویز کی جا سکے۔ یہ جہاد سے بھاگنا اور بزدلی نہیں۔ جن سے مقابلہ ہو وہ قلعہ میں بند ہیں باہر نکلتے نہیں۔ اب اگر قلعہ فتح نہیں ہوتا تو یہ صورت مزید تائید کی طلب گار ہے یہ میدان سے فرار نہیں۔

قرآن کریم نے دو صورتوں میں پیچھے ہٹنے کی اجازت دی ہے۔ ان کے سوا کوئی جنگ سے پیٹھ پھیرے تو وہ بے شک اللہ کے غضب میں آ اترا:۔

ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفاً لقتال او متحیزا الیٰ فئۃ فقد باء بغضب من اللہ۔ (پ۹ الانفال)

ترجمہ۔ اور جو کوئی ان سے پیٹھ پھیرے اس دن مگر یہ کہ جنگ کے کسی ہنر کے طور پر یا جا ملے اپنی پوری فوج میں، تو وہ اللہ کے غضب میں آیا۔

پسپائی وہی لائقِ مذمت ہے جو جان بچانے کے لیے ہو مزید کمک حاصل کرنے کے لیے اپنے مرکز کی طرف لوٹنا یا امیر سے مزید ہدایات لینے جانا یہ ہرگز کوئی جرم نہیں۔

بیعتِ رضوان کے بعد سب سے پہلا غزوہ خیبر پیش آیا پھر غزوۂ حنین ــــ خیبر کسی ایک قلعے کا نام نہیں۔ وہاں یہودیوں نے بہت سے قلعے بنا رکھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ قلعہ وطیح اور سلالم کو فتح کرنے کے لیے آئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پھر حضرت عمرؓ کو بھیجا پھر بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جو صورتِ حال تھی انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کر دی۔ حضورؐ نے پھر نئی تیاری کی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مہمات کے تجربات بھی سامنے تھے اب جو مسلمانوں کو فتح ہوئی اسے صرف حضرت علیؓ کی کارکردگی بتلانا اور اس میں ان پہلے حضرات کے تجربات اور مشوروں کو یکسر نظر انداز کرنا کسی منصف کا کام نہیں ہو سکتا۔

خیبر کا آخری قلعہ حصن القموص تھا جو حضرت علی المرتضیٰؓ کی مہم میں فتح ہوا۔ اس کا محاصرہ بیس روز سے قائم تھا پھر اس کا علم حضرت علیؓ کو دیا گیا۔ پہلے بیس دن کی محنتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ شامل سب صحابہؓ کا حصہ تھا۔ جنگ خیبر میں فوج کی ترتیب اس طرح تھی:۔

مقدمۃ الجیش ــــ اس پر حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی متعین تھے۔

میمنہ ــــ اس پر حضرت عمرؓ مقرر تھے علم بھی آپ کے ہاتھ میں تھا۔

ایک حصے کا علم حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں، ایک حصے کا حضرت خباب بن المنذر کے ہاتھ میں اور ایک کا حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا قلعہ حصن النطاۃ پر خود حضورؐ موجود رہے۔ پھر ادھر محمد بن مسلمہ انصاری کو مامور فرمایا۔ ان دنوں مسلمانوں کے فوجی مرکز پر حضرت عثمانؓ محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ مرکز اہل خیبر اور بنو غطفان کے وسط میں تھا جسے رجیع کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہیں سب حضرات حضورؐ کے پاس جمع ہوتے۔ یہ جگہ فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھی۔ بعض راتوں میں حضرت عمرؓ بھی اس کا پہرہ دیتے رہے۔ ان تمام مہمات میں حضرت علیؓ کہیں نظر نہیں آتے۔ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ کے لعابِ دہن سے آپ کی آنکھوں کی تکلیف دور ہوئی اور آپ نے قلعہ حصن القموص فتح کرنے کو آپ کو بھیجا۔ یہ خیبر کی آخری جنگ تھی۔ اس لیے حضرت علیؓ فاتحِ خیبر کے نام سے موصوف ہوئے۔ ورنہ فتح خیبر کی پہلی محنتوں میں سب حضرات اپنے اپنے حالات کے مطابق حصہ لیتے رہے۔

اب اگر قلعہ وطیح اور سلالم بڑے حضرات سے فتح نہ ہو سکا اور وہ حضورؐ کے پاس مزید ہدایات اور تیاری کے لیے تشریف لے آئے تو اسے جہاد سے فرار کا نام دینا شیعی مجتہدوں کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ جن کے دل بغضِ صحابہؓ سے ہر دم چور رہتے ہیں۔

بشیر حسین موصوف اپنے پمفلٹ کے صفحہ ۵۳ پر اپنے اس بغض کو یوں اگلتا ہے:۔

"درختِ الشجرہ بیعت کرنے والے تبھی رضوان اللہ علیہم کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ثابت قدم رہنے کا ثبوت دیا ہو اور اس بیعت کے بعد کسی غزوہ سے راہِ فرار اختیار نہ کی ہو" صفحہ ۵۴

اور پھر مولانا شبلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ غزوہ خیبر میں وطیح اور سلالم کے قلعے فتح نہ کر سکے تھے۔ معترض کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ مزید ہدایات اور مشوروں کے لیے مرکز کی طرف لوٹنا کبھی فرار عن الزحف نہیں کہلاتا۔ نہ کوئی سمجھ دار شخص اسے میدان جہاد سے فرار کا نام دیتا ہے۔ شیعہ لوگوں کی صحابہ دشمنی ان سے ایسی غلط باتیں نکلوا رہی ہے اور ان کے ذاکر و مجتہد انہیں بغیر سوچے سمجھے ایسی باتیں کہتے ہیں۔

معزز اراکین اسمبلی! آگے ایک اور سُرخی ملاحظہ فرماویں:۔

"بیعتِ رضوان والوں نے راہِ فرار کی تمام حدیں توڑ دیں" صـ۵۴

یہ جنگ حنین کے متعلق ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:۔

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین وانزل جنوداً لم تروھا۔ (پ التوبہ آیت ۲۵)

ترجمہ۔ بے شک مدد کی اللہ نے تمہاری کئی میدانوں میں اور حنین کے دن، جب تم اپنی کثرت پر خوش ہو رہے تھے۔ پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنین پر اُتاری وہ فوجیں جن کو تم نے نہ دیکھا تھا اتار دیں۔

وہ لوگ کون تھے جن کو اس دن اپنی کثرت اچھی نظر آ رہی تھی؟ یہ وہی تھے جن کی مدد اللہ تعالیٰ پہلے کئی دفعہ کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اہلِ ایمان ہی ہو سکتے ہیں ـــــ لوٹنے والے کون تھے؟ وہی جن پر اللہ تعالیٰ نے پھر فرشتے اُتارے اور ان پر سکینہ اُترا اور وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں ـــــ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں مومنین کہا ہے ـــــ ان کو یہ تادیب صرف اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اپنی کثرت پر ناز کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا یہ مکتبِ رسالت کے طالب علموں کا دورِ تربیت تھا۔ اب انہیں اس بہانے اسلام سے نکالنا، یہ صرف انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جن کے سینے بغضِ صحابہؓ سے جلے ہوئے ہوں وہ فطری شعور سے محروم ہو چکے ہوں اور وہ شرم و حیا کی تمام حدوں کو بھی توڑ چکے ہوں۔

بشیر حسین موصوف اس صورت حال کو مومنینؓ کو جو غزوہ حنین میں پیش آئی اس سُرخی سے پیش کرتا ہے "بیعتِ رضوان والوں نے راہِ فرار کی تمام حدیں توڑ دیں" ـــــ وہ اس بے ساختہ اضطراب اور ہزیمت کو بیعتِ رضوان کا ٹوٹنا سمجھتا ہے۔ قرآن کریم کی ان آیات پر جو شخص بھی توجہ سے نظر کرے گا وہ اسے ہرگز نقض بیعت نہ کہے گا۔ یہ اکھڑے ہوئے مسلمان پھر حضورؐ کے گرد آ جمع ہوتے تھے۔

حضرت ابو قتادہؓ کی آپ بیتی

حضرت ابو قتادہؓ (۵۴ھ) سے مروی ہے کہ جنگ حنین کے دن مسلمانوں نے ہزیمت اٹھائی اور میں بھی اُن کے ساتھ پسپا ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے حضرت عمرؓ آ گئے ہیں۔ میں نے آپ سے کہا مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ انہوں نے کہا اللہ کا حکم یہی تھا (اللہ کو یہی منظور تھا) ازاں بعد سب لوگ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے (فوج پھر تیار ہو گئی):۔

انھزم المسلمون وانھزمت معھم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت لہ ما شان الناس قال امر اللہ ثم تراجع الناس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صـ۶۱۸)

ترجمہ۔ مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور میں بھی ہزیمت پا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ سامنے ہیں لوگوں میں۔ میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہے؟ آپ نے کہا حکم خداوندی۔ ہزیمت خوردہ لوگ اب پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے۔

ہزیمت کا معنی شکست ہے بھاگنا نہیں۔ شکست کھڑی فوج کو بھی ہو سکتی ہے۔ حنین کے دن یہ شکست جنگ سے بھاگنے کی وجہ سے نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو جو اپنی کثرت پر ناز تھا اس کے باعث ہزیمت ہوئی۔ اس ہزیمت میں سارا لشکرِ اسلام شریک تھا۔ ہاں حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ بخاری شریف میں بین السطور علامہ قسطلانیؒ کے حوالے سے لکھا ہے۔

عمر ابن الخطابؓ فی الذین لم ینھزموا۔

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔

بشیر حسین موصوف نے اس کے ترجمہ میں یہ کھلی خیانت کی ہے:۔

"میں ہزیمت خوردہ لوگوں میں سے تھا اتنے میں میں نے عمرؓ کو دیکھا جو انہی لوگوں میں تھا"

(پمفلٹ مذکور صـ۵۵)

اس میں یہ جھوٹ کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ہزیمت خوردہ لوگوں میں تھے۔ حالانکہ ان کے بارے میں محدثین نے صراحت سے لکھا ہے کہ وہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے ہزیمت نہ اٹھائی۔

صحابہؓ کا پھر حضورؐ کے گرد جمع ہونا

پھر اسی روایت میں صراحت سے مذکور ہے کہ یہ لوگ پھر حضورؐ کی طرف واپس لوٹ آئے اور فوج نئے سرے سے تیار ہو گئی۔ اب بتایئے کہ شکوہ رہا ——— اس گھبراہٹ اور عارضی پسپائی سے وہ اللہ کی دوستی سے تو نہیں نکل گئے تھے۔ نہ یہ شانِ کریمی ہے کہ کسی کو ذرا سی بشری کمزوری سے ایمان سے ہی باہر لا کھڑا کرے۔ ایسی کمزوری کبھی مومن سے بھی سرزد ہو جاتی ہے۔

جنگ بدر میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ دو گروہ دل چھوڑ رہے تھے کمزوری دکھا رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ولایت سے نہ نکالا اور ظاہر ہے کہ اللہ مومنوں کا ہی ولی ہو سکتا ہے منافقوں اور بے عملوں کا نہیں۔ قرآن کریم میں ہے :-

اذ ھمّت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیّھما وعلی اللہ فلیتوکّل المومنون۔

(پ۴ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۲)

ترجمہ۔ جب قصد کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ نامردی کریں اور اللہ ان کا ولی تھا اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔

یہ جن دو قبیلوں کی بزدلی کا بیان ہے ان کے بعض بزرگ کہا کرتے تھے کہ اس آیت میں گو ہماری ایک بڑی کمزوری کا ذکر ہے مگر :-

"اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا۔ کیونکہ اللہ ولیّھما کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے" (تفسیر عثمانی ص۵۸)

اللہ مومنوں کا ہی ولی ہو سکتا ہے منافقوں کا نہیں

اللہ ولیّ الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔ (پ۳ البقرہ ع ۳۴ آیت ۲۵۶)

جنگِ حنین کے دن یہ ہزیمت پانے والے پھر سے حضورؐ کے گرد کیوں جمع ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ ان میں نورِ ایمان موجود تھا۔ انہیں حضورؐ نے کس حوصلہ بڑھانے والے لفظ سے واپس بلایا ؟ وہ یہ کہ انہیں اصحاب السمرہ کے نام سے آواز دیں۔ حضرت عباسؓ نے انہیں این اصحاب السمرۃ کے الفاظ سے آواز دی (صحیح مسلم جلد ۲ ص۱۰۰) اس سے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے بیعت کرنے والے مراد ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اس تمام کمزوری

کے باوجود ان کی بیعتِ رضوان باقی تھی جنگِ حنین اور غزوۂ خیبر میں نکثِ بیعت نہ ہوا تھا اور اسی پر حضورؐ نے انہیں ہمت دلائی اور وہ اپنے اسی عہد پر پھر چلے آئے اور مسلمانوں کو پھر فتح نصیب ہو گئی ——— اب یہ سمجھنا کہ اس ابتدائی ہزیمت میں وہ نکثِ بیعتِ رضوان کر چکے تھے علم و دیانت سے کس قدر دور کی بات ہے۔ یہ محض صحابہ دشمنی اور بغض باطنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ——— معزز ارکانِ اسمبلی اس سے شیعوں کی صحابہ دشمنی کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اصحاب السمرہ کہہ کر بلوایا تو اس سے پہلے معرکہ خیبر اور ہزیمتِ حنین دونوں واقع ہو چکے تھے۔ ان کے بعد حضورؐ کا انہیں اس بیعتِ رضوان پر قائم ماننا اور ان کا اس عنوان کے زیرِ اثر پھر سے جمع ہو جانا بتلاتا ہے کہ یہ حضرات بیعتِ رضوان سے ہرگز نہ نکلے تھے۔

بیعتِ رضوان پر جو عہد لیا گیا تھا

بیعتِ رضوان کس لیے تھی ؛ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے۔ یہاں یہ بات چل نکلی تھی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ اس مہم پر چودہ سو صحابہؓ نے حضورؐ کی بیعت کی تھی عملاً یہ جنگ عمل میں نہ آئی اور اہلِ مکہ اور مسلمانوں میں صلح ہو گئی جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے ——— سو یہ بیعت جس معرکے کے لیے تھی جب وہ عملاً پیش ہی نہ آیا تو اس بیعت سے کسی کا نکثِ بیعت کر کے نکل جانا اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اس عظیم فضیلت کے آثار ان مومنین میں باقی رہنے چاہئیں اور اسی نسبت سے حضورؐ نے انہیں جنگِ حنین کے دن پھر سے آواز دی تھی۔ مگر بشیر حسین مذکور کو اپنے اس رسالہ میں یہ سرخی جماتے علم و دیانت کی کچھ ہوا تک نہ لگی تھی۔ غور فرمائیں یہ سرخی کس قدر وحشت انگیز ہے۔

"بیعتِ رضوان والوں نے تو راہِ فرار کی تمام حدیں توڑ دیں" ص۵۴

بیعتِ رضوان کوئی معمولی فضیلت نہیں۔ جو اسے پا گیا جہنم کی آگ اسے کبھی نہ چھوئے گی۔ حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں میں صرف ایک منافق تھا جسے جنت کی ہوا نہ لگے گی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا :-

لا یدخل النار احد شھد الحدیبیۃ الا واحد۔ (الاصابہ جلد ۱ ص۳۲۰)

وہ ایک کون تھا؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں حرقوص بن زبیر تھا ——— اب آیئے معیارِ صحابیت پر پھر سے غور کریں۔ تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

معیارِ صحابیت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد :-

مکہ مکرمہ میں جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیدار آنکھوں سے دیکھا وہ سب شرفِ صحابیت پا گئے۔ ان میں جن حضرات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے مجلس کرنے اور تربیت پانے کا موقعہ ملا وہ بلند مقام صحابیت پر سرفراز ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے گروہ) کا پتہ دیتے ہوئے جو ما انا علیہ واصحابی کی نشاندہی فرمائی اس میں وہی صحابہ مراد ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ہم مجلس ہوئے اور انہیں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے آپ کی تربیت پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے اعتماد میں لے لیا۔ یہی ہیں جو آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں اور یہی ہیں امتِ اسلامیہ جن کی عزت و ناموس کا تحفظ چاہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکی دور میں آپ کا صرف اوپر اوپر سے کلمہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ دور آلام ومصائب کا دور تھا اور ایسا بے وقوف تو کوئی بھی نہ تھا کہ جو محض مار کھانے کے لیے ظاہراً مسلمان ہوا ہو۔

مدنی زندگی کے پیروانِ اسلام

مدینہ منورہ آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ظاہراً اُوپر اُوپر سے کلمہ پڑھتے اور دل سے مسلمان نہ ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ ان پر کچھ وقت کے لیے پردہ ڈالے رہیں اور انہیں ابھی نمایاں نہ کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پردہ رکھا۔ مگر انہیں کسی اعتماد میں نہ لیا۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کثیر المخالطت ہوئے اور نہ عام اُٹھنے بیٹھنے میں وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی سمجھے گئے ـــــ یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ وسلم حقیقت پر اطلاع پاکر اُن کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں اور انہیں اپنے اعتماد میں لیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دے رکھا تھا :-

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین۔ (پ۷ الانعام ع ۸ آیت ۶۸)

ترجمہ: سو آپ سمجھ آجانے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ندوہ کے مشہور فاضل مولانا عبدالسلام صاحب لکھتے ہیں :-

"محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کو

ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نشست و برخواست کا موقعہ ملا ہو کیونکہ عرف عام میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا ساتھی یا رفیق ہے تو اس سے صرف یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ایک کافی زمانے تک اس کی صحبت اُٹھائی ہے۔"

قاضی ابوبکر محمد بن طیبؒ کا قول ہے کہ :-

"عرفاً صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اُٹھائی ہو۔ عرفاً اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے۔ جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سُنی ہو۔"

بلکہ حضرت سعید بن المسیبؒ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ایک غزوات میں شرکت کا موقع ملا اور کم از کم اس نے دو سال تک آپ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کے لیے طویل صحبت کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نے آپ کی صحبت بغرض حصول علم وعمل اختیار کی ہو۔ حضرت علامہ سخاویؒ (۹۰۲ھ) فتح المغیث میں لکھتے ہیں :-

قال ابو الحسین فی المعتمد ھو من طالت مجالستہ لہ علیٰ طریق التبع والاخذ عنہ۔

ترجمہ: صحابی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر المخالطت رہا ہو اور وہ بھی اس انداز میں کہ آپ کے پیچھے پیچھے رہے اور دینی بات آپ سے حاصل کرے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

ثم یعرف کونہ صحابیا متواترا کابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما او بالاستفاضۃ او یقول صحابی غیرہ انہ صحابی او یقول عن نفسہ انہ صحابی اذا کان عدلاً۔

(مرقات جلد ۱۱ صـ۲۷۲)

ترجمہ: اس کا صحابی ہونا تواتر اور استفاضہ سے پہچانا جاتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا صحابی ہونا ہر کسی کو معلوم ہوتا تھا۔ یا کوئی اور صحابی کہے کہ وہ صحابی ہے یا وہ خود اپنے بارے میں کہے کہ میں صحابی ہوں اور اس پر کوئی جرح نہ ہوئی ہو۔

صحابہؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مجلس ہونا اور آپ کی تربیت میں رہنا اور آپ کے اعتماد میں آنا یہ وہ امتیازی خطوط ہیں جنہوں نے اجنبی کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے والوں کو صحابہ سے ممتاز کر رکھا تھا۔ ان میں بھی جو مومن تھے وہ حکماً شرفِ صحابیت پا گئے اور جو منافق تھے وہ نہ صحابی تھے نہ انہیں کسی انداز سے صحابی سمجھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سوسائٹی کسی مشتبہ رنگ میں نہیں چھوڑی کہ مدنی زندگی میں آپ کا کلمہ پڑھنے والے

مومن اور منافق آپس میں مخلوط دکھائی دیں کہ کوئی کسی کو مومن کہے اور کوئی اسے منافق سمجھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے امت بنائی کہ اس کی راتیں بھی دنوں کی طرح روشن تھیں۔ ارشاد فرمایا کہ :-

ترکتکم علی البیضاء لیلہا کنہارہا۔

ترجمہ۔ میں تمہیں ایک روشن راہ پر چھوڑ رہا ہوں اس کی راتیں بھی دنوں کی طرح روشن ہیں۔

یعنی اس میں کوئی ابہام پیچیدگی دو رُخی اور تقیہ بازی نہیں ہے۔ امت اپنے وجود میں صاف اور واضح کھڑی ہے۔

پاس آنے والے مُنفق اور مُنافق

حضرات! صرف پاس آنے والے کو نہ دیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منافقین آتے تو وہ آپ کی مالی مہمات پر کبھی کچھ خرچ نہ کرتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی کہتے کہ :-

لاتنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتی ینفضوا۔ (پ ۲۸ المنافقون ع ۱ آیت ۷)

ترجمہ۔ تم ان لوگوں پر جو حضور کے پاس بیٹھے ہیں کچھ خرچ نہ کرنا یہاں تک کہ یہ خود اٹھ جائیں۔

سو یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مُنفق (اسلام کی راہ میں خرچ کرنے والے) اور منافق (مسلمانوں کی باتیں دوسری جگہ پہنچانے والے) کبھی ایک نہ ہو سکتے تھے۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ صحابہؓ کبھی منافقین کے ساتھ مخلوط نہ ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مالی مہمات میں دل کھول کر خرچ کرنے والوں پر نفاق کا کبھی گمان نہیں کیا جا سکتا۔ معیارِ صحابیت یہی ہے اور یہی قرآن پاک کی تعلیم ہے۔

ما انا علیہ و اصحابی میں صرف معروف صحابہؓ

مذکورہ تفصیلات صحابہؓ کی عرفی پہچان کے لیے ہیں۔ جو حضرات اس طرح صحابی معروف ہوئے انہی کی اتباع ما أنا علیہ و اصحابی میں مامور بہ ہے اور یہ وہ ہیں جو آسمان ہدایت پر روشن ستارے بن کر چمکے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح رہنے اور اُٹھنے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ مگر انہوں نے بحالتِ ایمان حضورؐ کو دیکھا گو کبھی کبھی۔ انہیں بھی شرف صحابیت حاصل ہے مگر دوسرے درجے میں ــــ امام احمدؒ، امام علی بن المدینیؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ہر وہ شخص شرف صحابیت رکھتا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار آنکھوں سے حالتِ اسلام میں دیکھا۔

منافقین کا ظاہر متشابہ کن سے لگ سکتا ہے

منافقین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کا دعوےٰ کرتے تھے وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر المخالطت نہیں ہوتے۔ نہ ان کا آپ کے ساتھ عام اُٹھنا بیٹھنا رہا۔ وہ اگر کبھی ظاہراً متشابہ ہو سکتے ہیں تو ان صحابہؓ کے ساتھ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عام ہم مجلس ہونے ہونے کا موقعہ نہیں ملا نہ کہ ان حضرات قدسی صفات کے جو عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مجلس اور ہم وطن رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے ساتھ ان کی عام رشتہ داریاں بھی ہوئیں۔

جن مومنین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہم مجلس ہونے کا موقعہ نہیں ملا اور انہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور کبھی ایک مجلس میں حاضری ہوئی۔ ہم اُن کے شرف صحابیت کے قائل ہیں اور انہیں رضی اللہ عنہ کے لائق سمجھتے ہیں۔ مگر اپنے پیشوا ہونے کا درجہ صرف ان صحابہ کرامؓ کو دیں گے جو عرفاً عادتاً اور عام مشاہدات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سمجھے گئے۔ یہ وہ معروف افراد ہیں جن کے دل سے مومن نہ ہونے کا کبھی کسی کو وسوسہ تک نہیں گزرتا۔

صحابہ کرامؓ پیغمبروں کی طرح معصوم نہ تھے

حضرات صحابہ کرامؓ اس شرفِ صحابیت اور مقام صحابیت کے باوجود معصوم نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے دوران ان سے بارہا کمزوریاں اور کوتاہیاں ہوتی رہیں اور آپؐ ان کی اصلاح و تربیت فرماتے رہے۔ جب یہ حضرات تزکیہ کی دولت پا گئے تو اب یہ پوری امت کے لیے نمونہ بن گئے۔ ان کے لیے ایمان کا معیار ٹھہرے اور دوسروں کا ایمان تبھی قابلِ قبول ہوا کہ ان کے ایمان کے مطابق ہو۔

ان کی ایک عملی کمزوری پر بحث

ابتدائے اسلام میں رمضان میں مومنین کو عورتوں کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی۔ عشاء کے بعد سونے سے ان کا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔ بعض صحابہؓ سے اس دوران اپنی بیویوں کے پاس جانے کی غلطی سرزد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کوتاہی پر انہیں سرزنش نہ فرمائی۔ بلکہ قانون بدل دیا کہ اب کے بعد تم رمضان کی راتوں میں اپنی بیوی کے پاس جا سکتے ہو۔ ارشاد فرمایا :-

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسآءکم۔ (پ ۲ البقرہ ع ۲۳ آیت ۱۸۷)

ترجمہ۔ رمضان کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس بے حجاب ہونا حلال کر دیا گیا۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت کا اندازہ کریں۔ وہ حضرات کس عظمت اور سعادت کے حامل تھے کہ ان کی غلطیاں بھی تکمیل شریعت کے اسباب بنتی رہیں۔ یہ ان حضرات کی تربیت کا دور تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

ہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی دستارِ فضیلت ان کے سروں پر رکھ دی۔

تزکیہ کی دولت پانے کے بعد بھی اگر ان حضرات سے کوئی کوتاہی یا غلطی سرزد ہوئی تو انہیں اس سے رجوع اور توبہ کی توفیق مل گئی اور وہ اپنے بعد آنے والوں کے لیے خواتم اعمال میں زندگی کا ایک اور نمونہ بنے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کی کوئی کوتاہی عیب نہ سمجھی جائے گی کہ وہ دورانِ تربیت کے واقعات ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی کوئی کمزوری اس لیے عیب نہ رہے گی کہ بالآخر ان کا اس سے رجوع ہوا اور وہ توبہ کی دولت سے مالا مال ہو کر غلط کو غلط قرار دے کر اس دنیا سے گئے۔

صحابہؓ آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ پر ایمان لائے وہ خیرِ امت ہیں اور لوگوں کے لیے نمونہ ـــــ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ وہ نفوسِ قدسیہ آئندہ تمام لوگوں کے لیے آسمانِ ہدایت کے ستارے ہوں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس۔ (پ۴ آل عمران ع ۱۲ آیت ۱۱۰)

ترجمہ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے میدان میں لائے گئے ہو۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ جو ان مومنین کے سوا کسی اور کی راہ چلا اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا کہیں نہیں ہے۔ فرمایا:۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّہ ما تولّیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرًا۔ (پ۵ النساء ع، آیت ۱۱۵)

ترجمہ۔ اور جو اس رسول کے خلاف چلے بعد اس کے کہ ہدایت اس کے سامنے کھل چکی اور وہ وقت کے موجود مومنین کے سوا کسی اور کی راہ پر چلے ہم اسے ادھر پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم بھیجیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

کیا یہ وہی اصحابی کالنجوم والا مضمون نہیں؟ کچھ غور کریں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضورؐ نے صحابہؓ کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔ (دیکھیے صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۸)

صحابہؓ کی پیروی کرنے والوں پر بھی رضائے خُداوندی کا سایہ

صحابہ کرامؓ مہاجرین ہوں یا انصار، یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں کہ اُن کی پیروی کرنے والوں پر بھی خدا کی رضا کا سایہ ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ سابقین اولین سب کے سب آسمانِ ہدایت کے

ستارے ہیں جو اُن کی پیروی میں چلا رضائے خداوندی پا گیا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

والسابقون الاوّلون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ (پ۱۱ التوبہ ع ۱۳ آیت ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ایمان لانے میں پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور جو نیکی سے ان کے پیچھے آئے اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گئے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

اللہ کا ان سے راضی ہونا تو اپنی جگہ رہا۔ اللہ رب العزت ان کی رضا کو بھی قرآن کریم میں نقل کرتے ہیں کہ وہ بھی مجھ سے راضی ہو چکے ہیں۔ ان کی کوئی اور تمنا باقی نہیں رہی۔

صحابہ کرامؓ سابقین اولین ہوں یا فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے۔ ان کے درجات گو مختلف ہیں مگر جنت کا وعدہ ان سب سے ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ۔ (پ۲۷ الحدید ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ۔ تم میں سے وہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام پر خرچ کرتے رہے اور اللہ کی راہ میں لڑتے رہے ان کا درجہ ان سے زیادہ ہے جو بعد میں اس خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں آ لگے اور جنت کا وعدہ تو سب سے ہے۔

جن سے الحسنیٰ کا وعدہ ہو چکا وہ آگ سے اس طرح دُور رکھے جائیں گے کہ اُن کو آگ کی آہٹ تک نہ سُنی جا سکے گی۔

ان الذین سبقت لھم من الحسنیٰ اولٰئک عنھا مبعدون ۰ لا یسمعون حسیسھا..... لا یحزنھم الفزع الاکبر۔ (پ۱۷ الانبیاء ع ۷ آیت ۱۰۲)

ترجمہ۔ بے شک جن سے پہلے سے حسنیٰ کا مقام ملا وہ اس آگ سے دُور رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ تک نہ سُن سکیں گے..... بڑی گھبراہٹ اُن کو کسی غم میں نہ ڈال سکے گی۔

غیر معصوم ہدایت کا ستارہ کیسے بن سکتا ہے

یاد رہے کہ پیشوا بننے کے لیے علم صحیح اور تزکیۂ قلب کافی ہیں معصومیت ضروری نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:۔

واتبع سبیل من اناب۔ (پ۲۱ لقمان ع ۲ آیت ۱۵)

ترجمہ۔ اور جو میری طرف جھکا تو اس کی پیروی میں چلا آ۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طالب علم اور ارادت مندان تزکیہ تھے۔ ان سے جو کوتاہیاں اور کمزوریاں صادر ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوئیں اور حضورؐ کی تربیت سے وہ ان سے پاک ہوئے اور مقام پیشوائی پر آ گئے۔ اب ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے شکوے کرنا شرارت کے سوا کوئی درجہ نہیں رکھتا اور جو کوتاہیاں اور کمزوریاں کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد صادر ہوئیں۔ انہیں ان سے رجوع اور توبہ کی توفیق ملی وہ بقا علی الخطار سے محفوظ رہے۔ وہ باعتبار خواتم اعمال امت کے پیشوا ٹھہرے۔ یہ وہ دو راہیں ہیں جن سے گزر کر غیر معصوم بھی امت کے لیے پیشوا بن سکتا ہے۔

ہم دن رات خدا تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کے طالب ہوتے ہیں اهدنا الصراط المستقيم اور ظاہر ہے کہ یہ صرف انبیاء کی راہ نہیں ان سب کی راہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور وہ نبی — صدیق — شہداء اور صالحین ہیں جن کے نقشِ پا پر چلنا ہم اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں۔ وجعلنا للمتقين اماما (پ۱۹ الفرقان) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم معصوم ہیں۔

معززاراکین اسمبلی — ہم نے قرآن و سنت کی روشنی میں معیارِ صحابیت آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اس کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم کسی مشتبہ پوزیشن میں نہیں ہیں۔

① یہ چاروں اکابر مکی دور کے مسلمان ہیں۔ سو یہ کسی طرح غیر مخلص نہیں ہو سکتے۔
② یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مال و جان خرچ کرنے والے رہے ہیں۔
③ یہ آپ سے کثیر المخالطت رہے اور آپ کے ساتھ دن رات اٹھتے بیٹھتے رہے۔
④ یہ چاروں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد پائے ہوئے تھے۔
⑤ قرآن کریم کا وعدہ خلافت ان چاروں پر پورا ہوا۔ یہ آیت خلافت کا مصداق ہیں۔
⑥ صحابہؓ کی اکثریت نے ان پر دینی اور دنیوی امور میں اعتماد کیا۔
⑦ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مرکزی مسجدوں کے خطبہ میں چودہ صدیوں سے ان کا نام برابر لیا جا رہا ہے۔

غور فرمائیے ان شواہد و حقائق کی روشنی میں کیا کوئی مومن ان کے بارے میں اپنے دل میں نفاق کا بوجھ اٹھا سکتا ہے —؟

شیعوں کی طرف سے جوابی کارروائی

اثنا عشری شیعوں نے شرفِ صحابیت اور اس بلند مقام کے انکار کے لیے بعض صحابہؓ کے کچھ ایسے واقعات پیش کیے ہیں جن سے ان کے مقتدا ہونے کی پوزیشن بظاہر مجروح ہوتی ہے۔ یہ لوگ سمجھ نہیں پائے کہ یہ سب

واقعات ان کے دورِ تربیت کے ہیں۔ اور وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آئے تھے۔ سو ایسے واقعات پر ایکشن لینے کا حق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

ہاں کچھ ایسے وقائع بھی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واقع ہوئے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان پر ان کا خاتمہ نہیں ہوا۔ خاتمہ سے پہلے وہ ان سے رجوع کر گئے اور انہیں توبہ کی توفیق ملی اور پھر ان کا انجام ان بدلے حالات میں ہوا جن میں ناپسندیدگی کی کوئی آلائش ان میں باقی نہ رہی تھی — سو آج ہم ان کو اپنا پیشوا اور قافلہ امت کا ہراول دستہ نہ سمجھیں تو اور کیا سمجھیں۔

معززاراکین اسمبلی

بشیر حسین بخاری نے معیارِ صحابیت کے نام سے جو دستاویز آپ کے سامنے رکھی ہے اور بعض صحابہؓ کے بعض واقعات اس طرح نقل کیے ہیں کہ ان کی شخصیات کریمہ ان وقائع کی روشنی میں تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا قانون نہ منوا سکیں، ہم ان کا اصولی جواب پیچھے دے آئے ہیں۔ تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مذکورہ قواعد اسلامی کی روشنی میں شیعہ حضرات کی نقل کردہ جزئیات کی قلعی بھی یہاں پوری طرح کھولیں۔

سب سے پہلے ہم اثنا عشریوں کے ان کذبات (جھوٹ) کی نشاندہی کرتے ہیں جو ان کے اس پمفلٹ میں ص۱۴ پر مذکور ہیں۔ ان کا اصولی جواب ہم مقدمہ میں دے آئے ہیں۔ یہاں ایک ایک جواب عرض خدمت ہے۔

① — ایسے صحابی بھی تھے جو برملا ایک دوسرے کو منافق کہتے تھے۔ (روایت افک)
جواب: یہ جھوٹ ہے۔ لعنة الله على الكاذبين — اس پہ کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا۔

② — ایسے صحابی بھی تھے جو جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھتے تھے۔ (مروج الذہب)
جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ لعنة الله على الكاذبين — مروج الذہب خود شیعوں کی کتاب ہے۔

③ — ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے حضرت عائشہ پر تہمت لگانے میں شرم محسوس نہ کی۔
جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ ام المومنینؓ پر تہمت لگانے والے منافقین تھے۔ ان میں کوئی صحابی نہ تھا۔ اگر کوئی ان کی باتوں میں آ گیا تو اس نے بھی توبہ کر لی۔

④ — ایسے صحابی تھے جنہوں نے حضور پر تہمتِ ہذیان باندھی۔ (صحیح بخاری، مسلم شریف)
جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ کسی صحابیؓ نے آپ پر ہذیان کی تہمت نہیں لگائی۔ صحیح بخاری میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور اس کی صریح تردید کی گئی ہے کہ پیغمبر کو ہذیان نہیں ہو سکتا۔

⑤ — ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے حضور کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کے ارادے کیے۔
جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص نے کوئی ایسی بات نہیں کی جب

سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو امہات المؤمنین قرار دیا ہے اس کے بعد صحابی تو درکنار کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ کسی نے کی۔

(۶)۔۔۔ ایسے صحابی بھی تھے جن کے ہاتھ خونِ عثمان سے رنگین ہوئے۔

جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں کوئی صحابی شریک نہ تھا۔ اس کا حوالہ ہم پیچھے دے آئے ہیں۔

(۷)۔۔۔ ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے ایک صحابیِ رسول کو قتل کر کے اسی شب اس کی بیوی سے بلا عدت گزارے مباشرت کی۔

جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔ یہ اشارہ ہے مالک بن نویرہ کے قتل کی طرف۔ جو حضرت خالد بن ولیدؓ کے حکم سے عمل میں آیا۔ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا دور تھا۔۔۔ آپ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے دعوئے نبوت اور منکرین زکوٰۃ کے فتنے اُٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان مرتدین میں کون کون تھے۔ اسے حافظ ابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ) سے سُنیے:۔

وقتل على يديه اكثر اهل الردة منهم مسيلمة كذاب ومالك بن نويره۔ (الاستیعاب)

ترجمہ۔ اور آپ کے ہاتھوں بہت سے مرتد مارے گئے۔ مسیلمہ کذاب اور مالک بن نویرہ۔

یہاں مالک بن نویرہ کا ذکر کس کے ساتھ ہے۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ۔۔۔ ایک انکارِ ختم نبوت سے بغاوت میں آیا، دوسرا انکار صدقاتِ واجبہ اور حضورؐ کی وفات پر خوشی منانے کے الزام میں مُرتد ٹھہرا۔

مالک بن نویرہ کا مبیّنہ ارتداد

یہ مالک بن نویرہ بطاح میں تحصیل صدقات پر مقرر تھا۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنی تو اس نے وہ صدقات جو اپنی قوم سے وصول کیے تھے انہیں واپس کر دیئے۔ یہ اعلان تھا کہ اب حضورؐ کا وہ مشن باقی نہیں رہا۔ اب یہ ان لوگوں کا سرغنہ بن گیا جو زکوٰۃ روکنے کے مرتکب ہوئے۔ اس کے گرد و نواح میں یہ بھی مشہور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُن کر اس کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی ہے اور دف بجا کر خوشی کی ہے اور اہلِ اسلام پر ہنستے رہے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی نظر میں یہ امُور اسے مُرتد قرار دینے کے لیے کافی تھے۔

کجا ایک مرتد کا قتل اور کجا ایک صحابی کا۔۔۔ اس پس منظر کو پس پردہ رکھتے ہوئے بشیر حسین بخاری کا اعتراض ملاحظہ ہو:۔

"خالد نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ حضرت مالک بن نویرہ اور دیگر کئی اصحاب رسول کو بے دریغ

قتل کیا اور اسی شب جناب مالک کی بیوہ سے شادی کر کے جشن منایا۔۔۔ شاید اسی بہادری کے صلہ میں سیف اللہ کا تمغہ پایا۔ (معیارِ صحابیت ص۴۲)

مالک بن نویرہ کو صحابی کہنا اور اس کے ساتھ قتل ہونے والے مدعیِ نبوت مسیلمہ کذاب کو اصحابِ رسول میں شمار کرنا شیعوں کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔۔۔ جہاں تک حضرت خالد بن ولیدؓ پر بلا عدت گزارے شادی کرنے کا تعلق ہے تو یہ بھی جھوٹ ہے۔

محدثِ شہیر حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:۔

"یہ روایت کہ خالد نے اسی رات اس عورت کو صحبت میں رکھا کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے اگر کسی غیر معتبر کتاب میں پائی جائے تو جواب اس کا اس کے ساتھ موجود ہے کہ مالک نے مدت سے اس عورت کو طلاق دے کر قید کر رکھا تھا موافق رسم جاہلیت کے۔۔۔ پس عدت اس کی گذر چکی تھی نکاح اس سے حلال ہوا۔ (تحفہ)

اس تفصیل سے بشیر حسین بخاری کا جھوٹ اور کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ آیئے اب اس کا اگلا جھوٹ بھی ملاحظہ کریں:

دین بدلنے والی اقوام کا حشر

(۸)۔۔۔ ایسے صحابی بھی ہیں جنہیں فرشتے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کی جانب لے جائیں گے۔

جواب: یہ بھی جھوٹ ہے۔۔۔ یہ روایت مرتدین از اسلام کے حق میں ہے۔۔۔ صحابہ کرامؓ کو اس کا محمل بنانا اور بتلانا جعل سازی ہے۔ اس روایت میں اصحابی کا لفظ روایت بالمعنی ہے۔ اصل الفاظ رجال من امّتی کے ہیں جیسا کہ آپ مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منکرینِ زکوٰۃ اور منکرین ختمِ نبوت کا آخرت میں یہی انجام ہونا چاہیئے اور وہ آپ کو دکھایا جائے گا۔

پھر یہ اہلِ بدعت مرتد کے درجے کے ہوں یا اس سے کم کسی ایک دور کے نہیں مختلف ادوار کے ہوں گے اسی لیے ہم نے انہیں اقوام لکھا ہے۔

آٹھ جھوٹ کے بعد چھ فریب ملاحظہ ہوں

بشیر حسین بخاری نے اپنے پمفلٹ کے ص۱۳ اور ص۱۴ پر چودہ اعتراضات پیش کیے ہیں۔ جن میں سے آٹھ سرے سے جھوٹ ہیں جو ہم نے ابھی ذکر کیے ہیں۔۔۔ اب باقی چھ اعتراضات کی تفصیل بھی کچھ دیکھ لیں۔

ان کے اجمالی جواب ہم مقدمہ میں دے چکے ہیں۔

(۱)——— ایسے صحابی بھی تھے جو خائن تھے جنہوں نے جنگ ہی میں سرکاری مال سے خیانت کی جس کی بنا پر حضورؐ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔

یہ روایت موصوف نے ص۴۸ پر یزید کی روایت سے نقل کی ہے۔ بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور ۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء

اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ :-

یہ کوئی معمولی صحابی نہ تھے بلکہ بیعتِ رضوان کے شریک صحابی تھے۔

الجواب

یزید سے منقول اس روایت میں کسی صحابی کا نام نہیں ہے۔ نہ خود یزید نے اس صحابی کا نام بتلایا ہے۔ نہ بشیر حسین نے وہ نام بتلانے کی ہمت کی ہے اور نہ ہی اس پہ حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ تاہم یہ شخص جس کا یہ واقعہ ہے وہ صحابی نہ تھا۔ بلکہ یہ اہلِ خیبر میں سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں میں سے نہ تھا۔ دو درہم کی قیمت کا ہار اسی نے چرایا تھا جب یہ مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلوا علی صاحبکم اپنے آدمی پہ جنازہ تم پڑھو۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا۔ ان صاحبکم غلّ فی سبیل اللہ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص آپ کے صحابہ میں سے نہ تھا اہل خیبر میں سے تھا۔ صاحبکم کے الفاظ پہ غور کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف صحابہ کے جنازے ہی نہ لائے جاتے تھے۔ لوگ ان جنازوں کو بھی لے آتے جنہوں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کی ہو۔ جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا۔ آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا :-

انہ کان یبغض عثمان فابغضہ اللہ عزوجل۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۲۰۲)

ترجمہ۔ یہ عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا سو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ناراضگی میں ڈال دیا ہے۔

اب کیا وہ مرنے والا صحابی تھا؟ اور کسی صحابی سے یہ ممکن تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بغض رکھے ——— ہرگز نہیں ——— سو یزید کی مذکورہ روایت میں مذکور بھی کوئی صحابی نہ تھا جس نے وہ دو درہم کا ہار چرایا ——— افسوس صد افسوس کہ بشیر حسین بخاری کو اس پہ یہ بات لکھتے ہوئے کوئی علمی حیا محسوس نہ ہوئی کہ :-

یہ کوئی معمولی صحابی نہ تھے بلکہ بیعتِ رضوان کے شریک صحابی تھے۔ (پمفلٹ مذکور ص۴۸)

اور پھر یہ روایت بھی صحیح نہیں۔ بشیر حسین نے اس پہ روزنامہ جنگ لاہور کے حوالہ یہ سُرخی نقل کی ہے نہایت دلآزار ہے۔

خائن صحابی

یہ سُرخی جنگ لاہور کی ۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں سرے سے موجود ہی نہیں ——— سو یہ ایک اور کھلا جھوٹ ہے۔

خطبہ جُمعہ کے دوران اُٹھنے والے صحابہؓ

(۲)——— ایسے صحابی بھی تھے جو نبی کریم کو خطبہ جمعہ پڑھتے چھوڑ کر مسجد سے نو دو گیارہ ہو جاتے تھے۔ (بحوالہ حضرت تھانوی) یہ سطر حضرت تھانویؒ کی نہیں ہے۔

الجواب

(۱) کیا یہ ان کے دورِ تربیت کی بات نہیں۔

(۲) خطبہ جمعہ میں کسی دنیوی کام کے لیے باہر نکلنا اس لیے نہ تھا کہ پھر انہوں نے نماز جمعہ کے لیے آنا نہیں۔ دورانِ خطبہ اگر کوئی شخص اپنا دنیوی کام کرنے چلا جائے اور پھر نماز میں آ شامل ہو تو یہ بات ابھی شریعت میں ممنوع نہ ہوئی تھی۔ تا آنکہ قرآن کریم کی اس آیت (پ۲۸ سورۃ الجمعہ آیت ۱۱) نے اسے ممنوع ٹھہرایا۔

قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین۔

حضرت تھانویؒ نے جن لوگوں کی یہ بات نقل کی ہے۔ ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت سعیدؓ میں (افرادِ عشرہ مبشرہ) میں سے کوئی نہ تھا۔ اس میں پہل کرنے والے کوئی نو آموز مسلم تھے۔ جنہیں ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ اُٹھنے بیٹھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ نہ ان کی آدابِ اسلام میں ابھی پوری تربیت ہوئی تھی۔ ان کے چل چلاؤ میں اور بھی کئی ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں گے۔ جو لوگ اس وقت عرفاً بطور صحابی جانے پہچانے جاتے تھے وہ حضورؐ کے ساتھ رہے تھے ان کا یہ عمل نہ تھا۔ انہیں اس ابہام میں مجروح کرنا کسی علم و دیانت والے کا کام نہیں ہو سکتا۔

بشیر حسین مذکور نے یہاں نو دو گیارہ کا محاورہ پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا وہ دوبارہ نماز پڑھنے ہی نہ آئے تھے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اس جلد بازی میں نکلنے والے اب خطبہ اور قرب الٰہی کے موقع سے تو محروم رہے۔ لیکن ان کا نماز چھوڑنا اس عبارت میں کہیں مرقوم نہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ایسے بعض لوگوں کا حال کہہ کر ذکر کیا ہے معروف صحابہ کا نہیں ——— آپ لکھتے ہیں :-

"بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لیے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں (اس سے خطبے کا قیام مراد ہے نماز کا قیام مراد نہیں) آپ فرما دیجیے کہ جو چیز از قسم ثواب و قرب خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے۔ (بیان القرآن جلد ۲ صہ ۱۰۶۶)

قرآن کریم کا مذکورہ حکم آجانے کے بعد کوئی نو آموز مسلم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی خطبہ جمعہ میں چھوڑ کر نہیں گیا۔ جو اس کا دعوے کرے وہ اس پر ثبوت پیش کرے۔"

سو بشیر حسین بخاری نے صحابہؓ پر بھی جھوٹ باندھا ہے اور حضرت تھانویؒ پر بھی

بشیر حسین نے نو دو گیارہ کا محاورہ استعمال کر کے اپنے خیال میں اپنے گیارہ اماموں کی یاد تازہ کی ہے بارہویں کی نہیں کہ وہ مستقل طور پر مدینہ منورہ کی مسجد نبوی سے نو دو گیارہ ہو چکے ہوتے ہیں — جنہیں شیعہ غارِ سرمن رای پر جا کر آوازیں بھی دیتے ہیں مگر وہ آتے نہیں "وتركوك قائما" اور آواز دینے والے کو وہیں کھڑا رہنے دیتے ہیں۔

میدان جنگ میں حضورؐ کو اکیلا چھوڑنے کا الزام

(۳) — ایسے صحابی بھی تھے جو نبی کریم کو میدانِ جنگ میں اعداء کے نرغے میں چھوڑ کر فرار کر جاتے۔ صہ ۱۴

الجواب

یہ سراسر غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعداء کے نرغے میں چھوڑ کر صحابہؓ کبھی نہیں بھاگے عد کے دن درہ چھوڑنے کی غلطی سے جو مسلمانوں پر اچانک حملہ ہوا تو یہ شکست کفار کے اچانک حملے سے ہوئی تھی ان کے فرار سے نہیں۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

وانما كانت هزيمتهم فجأة لانصبابهم عليهم دفعةً واحدةً۔ (نووی جلد ۲ صہ ۱۰۱)

ترجمہ۔ اور ان کی شکست اچانک واقع ہوئی تھی کیونکہ مشرکین نے ان پر اچانک پورا دباؤ ڈال دیا تھا۔

گھبراہٹ کی اس حالت میں اگر کچھ صحابہؓ میدان سے ہٹ نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعداء کے نرغے میں چھوڑ کر نہیں — بلکہ ڈٹے ہوئے صحابہؓ کی حفاظت میں چھوڑ کر وہ منتشر ہوئے — یہ حضرات کون تھے جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں ڈٹے رہے۔ یہ حضرات تھے حضرت طلحہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت ... اور دوسرے کئی حضرات — پروفا کا تمغہ اس دن حضرت طلحہؓ کے سر پر رہا۔ صحابہؓ جب کبھی اس دن کو یاد کرتے

حضرت طلحہؓ کی یاد تازہ کرتے۔ ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وكانت الصحابة اذا ذكر يوم احد قالوا ذالك يوم كله لطلحة۔ (مرقات جلد ۱۱ صہ ۳۶۳)

ترجمہ۔ اور جب کبھی یوم احد کا ذکر ہوتا، صحابہؓ کہتے وہ سارا دن تو طلحہؓ نے لے لیا ہے۔

حضرت علیؓ اس وقت کہاں تھے۔ حضرت طلحہؓ سے کچھ فاصلے پر تھے۔

سب سے زیادہ اس دن وفا کا مظاہرہ حضرت طلحہؓ نے کیا۔ آپ کا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر پہرہ دیتا رہا اور دشمنوں کے تیر روکتا رہا — پھر یہ واقعہ جو بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا اور یہ دور — دورِ مشق و تربیت تھا۔ اب دیکھیے میدان چھوڑنے والے صحابہؓ پر اللہ اور اس کے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ایکشن لیا ہے۔

اُحد کے دن منتشر ہونے والوں کا حکم

معزز اراکین اسمبلی — اسے قرآن کریم میں دیکھیے:۔

ولقد عفا الله عنهم۔ (پ ۴ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۵۵)

ترجمہ۔ اور البتہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرمایا:۔

واعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر۔ (پ ۴ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۵۹)

ترجمہ۔ اور آپ بھی انہیں معاف کر دیں ان کی مغفرت چاہیں اور اپنی شوریٰ میں انہیں شامل رکھیں۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں فیصلہ یہ ہوا کہ وہ حضرات برابر آپ کی مجلس شوریٰ کے رکن رہیں گے تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان سے اس دن جو کچھ ظہور میں آیا وہ اچانک بے اختیاری میں ہوا تھا۔ اگر ان کی نیت میدان سے فرار کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان سے اس طرح عطوفت و رأفت کا معاملہ نہ فرماتے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر تو بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے کمزوری دکھانے کا قصد کیا تھا باایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ولایت (دوستی، راہِ حق) سے نہ نکالا۔ ان حضرات کو کھلے طور پر مومن فرمایا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اذ همّت طائفتان منكم ان تفشلا والله وليّهما وعلى الله فليتوكّل المومنون۔

(پ ۴ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۲)

ترجمہ۔ اور یاد کرو جب تم میں سے دو گروہوں نے کمزوری دکھانی چاہی اور اللہ ان دونوں کا ولی
اور مومنوں کو تو اسی پہ بھروسہ کرنا چاہیئے۔

یہ دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے۔ ہم اس پر کچھ بحث پہلے کر آئے ہیں۔

سو اس طرح کی کمزوریوں اور تاریخی واقعات سے ان حضرات کے مقام ولایت اور صحابیت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو ان حضرات کے بارے میں کوئی اور ریمارک کرنے کا حق نہیں — ہمارا ان سے تعلق — اور ہماری ان سے عقیدت ان کے تعلق رسالت کی وجہ سے ہے ان کے اعمال کے باعث نہیں۔ حدیث نبوی من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم (اوکما قال) مشہور و معروف ہے — سو صحابیت ایک ایسا شرف ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا عمل اس کی برابری نہیں کر سکتا اور اس کا صحابہ کرامؓ کو خود بھی یقین تھا — شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

علیٰ انھم کانوا یعتقدون ان شان الصحابۃ لایعدلہ شیٔ۔ (الاصابہ جلد ۱ ص۱۲)

ترجمہ۔ اور اس پر یہ کہ وہ خود بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ صحابیت کی فضیلت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہاں صحابیت وہ ہو جو دوسرے صحابہؓ میں جانی پہچانی ہو۔ دوسرے صحابہ اسے بطور صحابی پہچانتے ہوں۔ اس کی بحث پہلے آ چکی ہے۔

اس قسم کے واقعات جب آپ کے سامنے آئیں تو اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بشری امور اور تربیتی حالات میں ان نفوس قدسیہ کو صحابیت سے نکالا نہ تھا اور نہ ان سے کوئی خلعت احترام چھینی تھی اور نہ ان کی شخصیات کریمہ کو آئندہ کسی دینی اور سیاسی ذمہ داری کے لیے مجروح کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھنے والے صحابہؓ

(۴) — ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔
(پمفلٹ مذکور ص۱۴)

الجواب

ہم جواباً کہیں گے کہ جب ان کی (حضرت معاویہؓ کی) ان سے (حضرت علیؓ سے) ۴۰ھ میں مصالحت ہو گئی

تو پھر بغاوت کہاں رہی — جو علاقے حضرت معاویہؓ کے قبضے میں رہے کیا وہ اب اذن خلیفہ سے ان کے پاس نہ آ گئے تھے — کیا یہ ۴۰ھ میں پیش نہ آیا — اور کیا اب کہیں علم بغاوت بلند رہا — افسوس کہ شیعوں کو ہر وقت علم کی سوجھتی ہے اور وہ اس صلح سے فائدہ نہیں اُٹھاتے جو اس جنگ کے بعد وجود میں آئی تھی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شیعہ اس پر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر ۴۰ھ کے مدنہ سے امیر المومنین حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں لڑائی تو بند ہو گئی مگر سلطنت اسلامی دو ٹکڑوں میں تو بٹ گئی تھی نا۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح سے پھر یہ اسلامی سلطنت کیا ایک وحدت میں نہ آ گئی تھی۔ ان کے آپس میں متحد ہو جانے کے بعد سابقہ اختلافات کو اُچھالنا کسی شریف انسان کو زیب نہیں دیتا نہ پڑھے لکھے لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔

اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضرت امیر معاویہؓ (جو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے امام اور پوری سلطنت اسلامی کے واحد حکمران تھے) کی شان میں کوئی گستاخی کرے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بھائیوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کی تھی اور آپ کے وظیفے قبول کیے تھے۔ حضرت حسنؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسینؓ ان وظیفوں کو برابر قبول کرتے رہے تو اب اس باب میں پوری امت کا موقف یہ ہونا چاہیئے کہ ہماری اس شخصیت کریمہ سے کلی صلح ہے جس سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی پوری وفاداری رہی۔ اور نہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات تک حضرت حسینؓ نے اس وفا کو نبھایا اور اپنا ہاتھ اطاعت امیر سے نہیں کھینچا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تو پڑھا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر حضرت حسینؓ انہیں اپنے لوگوں میں سے نہ سمجھتے تھے تو انہیں اپنے ساتھ انا للہ میں کیوں جمع کیا۔

اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ خواتم امور سے سبق حاصل کرو اوائل امور سے نہیں:-

ان الحسنات یذھبن السیئات ذٰلک ذکریٰ للذاکرین۔ (پ۱۲ سورہ ہود ع ۱)

ترجمہ۔ نیکیاں غلطیوں کو بہالے جاتی ہیں اس میں اچھی یاد ہے یاد رکھنے والوں کے لیے۔

حضورؐ سے مال غنیمت کی تقسیم میں برابری کا مطالبہ

(۵) — ایسے صحابی تھے جنہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں پیغمبر اسلام پہ بداعتمادی اور خیانت کی تہمت لگائی۔ (معاذ اللہ)

الجواب

یہ بھی اسی دور کا ایک واقعہ ہے جب صحابہؓ زیر تربیت تھے۔ ایک شخص حرقوص بن زہیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ اس وقت مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور ہر کسی کو اس کے حالات کے مطابق دے رہے تھے۔ اس نے کہا:۔

ما عدلت فی القسمة۔ (سنن نسائی جلد ۲ ص ۱۷۴ جلد ا ص ۳۵۹)

ترجمہ۔ آپ نے سب کو ایک جیسا نہیں دیا۔

یہ نادان اس بات کو نہ سمجھ سکا کہ ہر کسی کو اس کے حالات کے مطابق دینا ہی عدل ہے اس میں برابر کی تقسیم ضروری نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص کہیں دور سے آیا تھا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نہ پائی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس غلط بات پر بہت غصہ آیا۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی بلکہ فرمایا:۔

ان له اصحابا یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم وصیامه مع صیامهم۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۴)

ترجمہ۔ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے سامنے کچھ نہ سمجھو گے اور اس کے روزے کو اپنے روزے کے سامنے کچھ نہ جانو گے۔

یہ حرقوص بن زہیر صحابہ میں سے نہ تھا۔ بلکہ اس کے ساتھی اور اصحاب کچھ اور لوگ تھے۔ عرفاً یہ شخص نہ پہلے اور نہ اس واقعہ کے بعد کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیکھا گیا۔ اس لیے اسے کیسے صحابی سمجھا جا سکتا ہے؟ پھر اکابر صحابہؓ اس کے قتل کے درپے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی جڑ سے ایسی قوم اُٹھے گی کہ ان کا قرآن پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ کیا یہ اس کے صحابی نہ ہونے کا اقرار نہیں؟ آپ نے تو ایسے لوگوں کو گردن زدنی قرار دیا اور فرمایا:۔

فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان قتلهم اجر لمن قتلهم یوم القیامة۔ (صحیح بخاری جلد ا ص ۵۱۰)

ترجمہ۔ سو تم جہاں ان کو پاؤ مار دینا۔ ان کے مارنے میں مارنے والے کو قیامت کے دن اجر ملے گا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس حکم پر عمل کیا۔ یہ ہی وہ لوگ تھے جو اس وقت خوارج بن کر اُٹھے۔ بہرحال حرقوص بن زہیر کو صحابہؓ میں شمار کرنا درست نہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وعندی فی ذکره فی الصحابة وقفة۔ (الاصابہ جلد ا ص ۴۸۵)

ترجمہ۔ میرے نزدیک اسے صحابہ میں ذکر کرنے میں رُکنا چاہیئے۔

حرقوص بن زہیر کو صحابی سمجھنا خوارج کی شرارت ہے۔ ہیثم بن عدی کا کہنا ہے:۔

ان الخوارج تزعم ان حرقوص بن زهیر کان من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وانه قتل معهم یوم النهروان قال فسألت عن ذلك فلم اجد احدًا یعرفه (الاصابہ جلد ا ص ۳۲۰)

ترجمہ۔ خارجیوں کا کہنا ہے کہ حرقوص صحابہ میں سے تھا اور وہ ان کے ساتھ جنگ نہروان میں مارا گیا تھا۔ راوی نے کہا میں اس کے بارے میں پوچھتا ہی رہا کہ وہ کون ہے۔ میں نے کسی کو نہ پایا جو اسے جانتا پہچانتا ہو۔

اس شخص کی جڑ سے جو قوم اُٹھی اسے خوارج کہا گیا لیکن جہاں تک اس شخص کے اصحابِ نبی اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہونے کا تعلق ہے وہ غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

"لا یدخل النار احد شهد الحدیبیة الا واحد"

ترجمہ۔ حدیبیہ میں شامل ہونے والوں میں ایک شخص کے سوا کوئی جہنم میں نہ جائے گا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد حرقوص بن زہیر ہی تھا۔ (الاصابہ جلد ا ص ۳۲۰)

حافظ ذہبیؒ نے تذکرہ میں امام قراب سرخسی کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس روایت کے آخر میں آنحضرتؐ کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:۔

اس کے ساتھی اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان میں اسلام کی کوئی چیز بھی نہ پائی جائے گی۔

اب آپ انصاف فرمائیں کہ ایک منافق کو صحابہ کے جلو میں پیش کرنا کون سا علم اور کون سی دیانت ہے بشیر حسین مذکور کو یہ لکھتے ہوئے کہ ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں حضورؐ پہ بداعتمادی کرتے تھے کیا کچھ بھی خدا کا خوف لاحق ہوا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بشیر حسین نے یہ بھی کہا ہے:۔

(۶) ـــــ ایسے صحابی بھی تھے جو حضرت علی پر سبّ و شتم کرتے اور کراتے رہے۔ (مسلم شریف)

الجواب

یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ جس پیغمبر کی یہ تعلیم ہو۔ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (مسلمانوں کو سب و شتم کرنا فسوق ہے اور اس سے قتال کفر ہے) اس کے صحابہ ایک دوسرے پر سب کریں؟ یہ بات کہاں سے چلی۔ اس کے لیے کچھ پیچھے جانا ہو گا۔

اسلام میں پہلی بغاوت وہ ہے جو امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صفِ اسلام میں نئی راہ قائم کی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان بدعتیوں نے حضرت علیؓ کے لشکر میں پناہ لے رکھی تھی۔ یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ارادے اور ایما سے نہ تھا۔ وہ لوگ اس درجہ آپ پر چھا چکے تھے کہ انہی کی بات چلتی تھی حضرت علیؓ کی نہیں۔

خلیفہ اس قدر بے بس ہو۔ یہ بات صحابہؓ اور تابعینؒ کے تصور میں نہ گزر سکتی تھی۔ اس نے اس غلط فہمی کو جنم دیا کہ حضرت علیؓ باختیار خود ان بدعتیوں کو پناہ دے رہے ہیں یہ بات واقع میں غلط ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کا دامن قتلِ عثمانؓ سے بالکل پاک ہے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت صاف دلی سے کی تھی۔ اس میں منافقت کا کوئی شائبہ نہ تھا — تاہم بات چل نکلی کہ شہادتِ حضرت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ ہے۔ آپ قسمیں کھا کھا کر اس کی تردید کرتے تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے بعض اقربا۔ ایسے شکوک میں پڑے تھے کہ بات صحیح سمت اختیار نہ کر سکی۔

ان دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث خاصی معروف تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

من اٰوی محدثا فعلیه لعنة الله والملٰئكة والناس اجمعین۔

(صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۶)

ترجمہ۔ جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت اس کے فرشتوں اور تمام مسلمانوں کی۔

یہاں سے حضرت عثمانؓ کے باغیوں اور قاتلوں کے خلاف لعنت کا سلسلہ چلا اور یہ بات بطورِ عموم تھی کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے قلعہ اسلام میں تفرقے کا یہ پہلا شگاف کیا ہے۔

اب چونکہ حضرت علیؓ کے خلاف بھی یہ پروپیگنڈہ تھا کہ آپ کے لشکر میں قاتلینِ عثمانؓ پناہ لیے ہوئے ہیں۔ تو اگر حضرت عثمانؓ کے اقربا میں سے کسی نے غلط فہمی میں حضرت علیؓ کے خلاف کوئی سبّ وشتم کیا تو ہم اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ جس نے ایسا کیا اس نے بہت بُرا کیا — لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس غلط فہمی پر باہم جنگ وجدال ہو سکتا ہے اور اسے اپنا اپنا اجتہادی موقف کہتے ہیں تو کیا اس غلط فہمی میں باہم سبّ وشتم نہ ہوتا ہوگا۔ دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے پر سبّ وشتم کرتے تھے:۔

کانت طائفتان یسب بعضهم بعضاً۔ (مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۲) دونوں فریق ایسا کرتے تھے۔

"تاہم یہ بات سمجھنے کے لائق یہ ہے کہ ان حضرات کا عمل کیا آخر تک رہا یا کسی موقع صلح پر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اگر یہ رجوع ثابت ہو جائے بلکہ اسے صلح کی ایک شرط تسلیم کیا جائے تو پھر اواخر امور کا اعتبار ہوگا۔ اب ہر شخص کا دامن حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے سے پاک ہوگا جس سے بھی ایسی نازیبا بات ہوئی ہو۔ قرآن کریم میں ہے:۔

الم یعلموا ان الله هو یقبل التوبة عن عباده۔ (پ ۱۱ التوبہ آیت ۱۰۴)

ترجمہ۔ کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کرانے کا الزام

صحیح مسلم کے حوالے سے بشیر حسین مذکور نے جو بات کہی ہے اس میں کسی کو حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کرنے کا حکم نہیں دیا جا رہا۔ محض پوچھا جا رہا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کیوں نہیں کہتا — وہ جاننا چاہتا ہے کہ شاید اس کے پیچھے کوئی وجہ وجیہہ موجود ہو۔ اس صورت میں اسے سبّ وشتم کا حکم ٹھہرانا اور صحابہؓ پر اعتراض کرنا کہ وہ حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کرتے اور کراتے تھے سراسر زیادتی ہوگی۔

صحیح مسلم میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ایک گفتگو مذکور ہے۔ ان دو حضرات کی ملاقات غالباً مکہ میں ہوئی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ سے وجہ پوچھی کہ وہ حضرت علیؓ کے بارے میں خاموش کیوں ہیں اور میرے ساتھ کیوں نہیں ہوتے۔ خونِ عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر پائے۔ آپ انہیں بُرا بھی نہیں کہتے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے — سبّ کا معنی گالی دینا ہی نہیں بُرا بھلا کہنا اور لاتعلق ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے اور یہ لفظ عام ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ الوشتانی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

یحمل السب علی التغییر فی المذهب والرای فیکون المعنی ما منعك من ان تبیّن للنّاس خطاءه وان ما نحن علیه اسد واصوب ومثل هذا یسمی سبّاً فی العرف۔

(اکمال اکمال المعلم صفحہ ۔)

ترجمہ۔ یہاں لفظ سبہ اپنے موقف اور رائے کو بدلنے پر محمول کیا جائے گا (گالی کے معنی نہیں) پس اس کا یہ مطلب لیا جائے گا آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے کہ لوگوں کے سامنے علیؓ کی خطا بیان نہ کریں اور یہ بات کہنے سے کہ جس بات پر ہم ہیں وہ زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ عرب عرف میں ایسے موقف کو بھی لفظ سبّ سے ذکر کر دیتے ہیں (اور ظاہر ہے یہ گالی کا معنی نہیں ہے)۔

لغتِ حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں ہے:۔

المعنی ما منعك ان تخطئه فی اجتهاد وتظهر للنّاس حسن اجتهادنا۔ (مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۸۳)

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ آپ کو کس چیز نے علیؓ کے خطاء فی الاجتہاد اور ہمارے صواب فی الاجتہاد کو لوگوں کے سامنے لانے سے روک رکھا ہے۔

پھر اس روایت میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت سعدؓ کو سبّ کرنے کے لیے نہیں کہا۔ سبّ کرنے کی وجہ پوچھی ہے کہ یہ ازراہِ تقوےٰ و تورع ہے یا کسی خوف کے باعث ہے یا کوئی اور وجہ ہے۔ اگر تورع اور احتیاط ہے تو پھر صحیح ہے اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو بتلائیں میں اس کا جواب دے کر آپ کو مطمئن کروں گا۔
حضرت سعدؓ نے صاف صاف حضرت علیؓ کے فضائل ذکر کیے :-

(۱) فتح خیبر کا علمبردار ہونا۔

(۲) ہارونِ امت ہونا۔

(۳) اور حدیثِ کساء میں اہلبیت میں آنا ذکر فرمایا۔

اور حضرت امیر معاویہؓ نے ان میں سے کسی کا مناقشہ نہیں کیا۔ آرام سے سُنا۔ حضرت سعدؓ اُن سے بالکل مرعوب نہیں ہوئے اور بات صاف صاف کہہ دی۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت امیر معاویہؓ کسی کو حضرت علیؓ کو بُرا کہنے پر مجبور نہیں کرتے تھے اور نہ انہیں حضرت علیؓ کے ان فضائل سے انکار تھا۔ یہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وفا تھی جو انہیں ان کے ناحق خون کے قصاص کے لیے اٹھائے ہوئے تھی اور وہ ہر ہر صحابی کو واقعات کی روشنی میں مطمئن کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ حضرت سعدؓ چونکہ اکابر میں سے تھے عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ کمیٹی کے اصحابِ ستّہ میں سے تھے۔ اس لیے حضرت معاویہؓ نے ان کو ہم خیال بنانے کے لیے بات چھیڑی اور وجہ پُوچھی کہ آپ علیؓ کے خطاء فی الاجتہاد لوگوں کے سامنے کیوں نہیں لاتے ؟

اگر یہ امیر معاویہؓ کا حکم ہوتا تو کیا حضرت سعدؓ اس دلیری سے حضرت علیؓ کے فضائل ذکر کر سکتے تھے اور کیا پھر حضرت سعدؓ یونہی چلے جاتے۔ افسوس ہمارے دوست بات سمجھتے نہیں اور پروپیگنڈہ جاری رکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کے حکم سے حضرت علیؓ کو صبح شام گالیاں دی جاتی تھیں۔ استغفر اللہ العظیم۔

امام نووی شافعیؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :-

فقول معاویہ هذا لیس فیہ تصریح بانہ امر سعدًا بسبّہ. انما سألہ عن السبب المانع من السبّ کانہ یقول هل امتنعت منہ تورعًا او خوفًا او غیر ذٰلک ؛ فان کان تورعًا واجلالًا لیس عن السبّ فانت مصیب وان کان غیر ذلک فلہ جواب اٰخر۔ (نووی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

ترجمہ۔ حضرت معاویہؓ کی اس بات میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ آپ نے حضرت سعدؓ کو سبّ علیؓ کا حکم دیا تھا۔ آپ نے محض اس کا سبب پُوچھا کہ آپ علیؓ سے لاتعلق کیوں نہیں ہوتے۔ گویا آپ پُوچھ رہے تھے کہ آپ تورع اور احتیاط کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے یا کوئی خوف مانع ہے یا اس کا کوئی اور سبب ہے۔ اگر سبّ سے دور رہنا ازراہِ تورع و احتیاط ہے پھر تو آپ درست ہیں اور اگر کچھ

اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہے۔

اگر حضرت معاویہؓ واقعی حضرت سعدؓ کو حضرت علیؓ کے بارے میں گالی دینے کا حکم دے رہے تھے تو پھر حضرت سعدؓ ان کے ایسے معتقد کیوں ہو گئے کہ ان کے فیصلوں کو بالکل حق سمجھنے لگے۔ آپ فرماتے ہیں :-

ما رأیت احدًا بعد عثمان اقضٰی بحق من صاحب هٰذا الباب یعنی معاویۃ۔

(تاریخ دول الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۲ البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۳)

ترجمہ۔ سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد حق کا فیصلہ کرنے والا معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

پھر ایک دفعہ آپ شام گئے تو حضرت امیر معاویہؓ کے ہاں ایک رمضان گزارا۔ (البدایہ جلد ۸ صفحہ ۷۲)

حضرت سعدؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے یہ تعلقات بتاتے ہیں کہ آپ کا ان سے پُوچھنا مالک لا تسب ابا تراب حضرت علیؓ کو گالی دلوانے کے لیے نہیں تھا اور نہ یہ بات صحیح ہے کہ آپ کے حکم سے (معاذ اللہ) حضرت علی مرتضیٰؓ کو برسرِ منبر گالیاں دی جاتی تھیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

قیس بن حازم کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں تھا اور بازار میں گشت کر رہا تھا۔ میں احجار زیت تک پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک سوار کے گرد جمع ہیں وہ اپنی لاری پر سوار حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے سامنے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آئے اور لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور لوگوں سے پُوچھا۔ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ شخص حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے حضرت سعدؓ آگے بڑھے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے شخص تو کس لیے حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہتا ہے؟ کیا وہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے نہیں؟ کیا یہ وہ پہلے آدمیوں میں سے نہیں جنہوں نے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ کیا یہ ان لوگوں میں سے زیادہ زاہد نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا یہ حضورؐ کے داماد نہیں۔ کیا یہ حضورؐ کے غزوات میں آپ کا جھنڈا اٹھانے والے نہیں؟ اس کے بعد قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا۔ اے میرے اللہ! یہ شخص تیرے اولیاء میں سے ایک ولی کو بُرا کہتا ہے۔ پس یہ مجمع جُدا نہ ہونے پائے کہ تو اسے اپنی قدرت دکھا دے۔ حضرت قیس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی ہم وہاں سے جُدا نہیں ہوئے تھے کہ اس کی سواری اس کو لے کر دھنس گئی اور یہ سر کے بل انہی پتھروں پر گرا اور مر گیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۰۰ ووافقہ الذہبی وقال ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین واخرجہ ابو نعیم فی الدلائل صفحہ ۲۰۶ من ابن المسیب)

سو اگر حضرت سعدؓ اس باب میں کسی دباؤ میں ہوتے تو کیا مذکورہ صورت عمل میں آسکتی تھی؟ —— پھر بھی

اگر اس دور میں کسی عامل نے کوئی ایسی بات کہی بھی تو دوسروں نے کھُلے عام اس کا انکار کر دیا ـــ اب الزام کس پہ؟ (دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

اب یہ کہنا کہ ایسے صحابہ بھی تھے جو حضرت علیؓ کو کھلے بندوں گالی دیتے تھے۔ اگر انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے

نوٹ: اثنا عشری عقیدے میں کوئی شخص حضرت علیؓ کو سب وشتم کرنے سے حضرت علیؓ کی جماعت سے نہیں نکلتا اور ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق آپ نے اجازت دے رکھی تھی کہ اگر کوئی تمہیں مجھے بُرا بھلا کہنے کی دعوت دے تو تم بے شک مجھ پر سب وشتم کر لیا کرو۔

شریف رضی (۴۰۴ھ) نہج البلاغۃ میں لکھتا ہے کہ آپ نے (یعنی حضرت علیؓ نے) فرمایا:-

وانہ سیامرکم بسبّی والبرأۃ منی فاما السبّ فسبّونی فانہ لی زکوٰۃ ولکم نجاۃ۔ (نہج البلاغۃ جلد صفحہ ۹۲)

ترجمہ: جہاں تک سب کا تعلق ہے تم مجھ پر کر لیا کرو لیکن جو برأت ہے سو مجھ سے کبھی برأت نہ کرنا۔

معزز اراکین اسمبلی

بشیر حسین بخاری کے اس وادیٔ پُرخار میں بچھائے یہ چودہ کانٹے ہم نے ایک ایک کر کے اُٹھا دیئے ہیں۔ اب آپ بے خطر ہو کر تحفظ ناموسِ صحابہؓ کے بل پر توجہ فرمائیں اور بعض صحابہؓ سے دورانِ تربیت پیش آنے والے بعض امور سے اس باب میں دل برداشتہ نہ ہوں ـــ قرآن وسنت کی روشنی میں معیارِ صحابیت جو ہم نے پیش کیا ہے اس کی رو سے صحابہؓ سے دورانِ تربیت صادر ہونے والے کسی ناپسندیدہ امر سے ان کی شخصیت مجروح نہ ہوگی۔ اور نہ ان سے عبائے صحابیت سلب ہوگی ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی سے کوئی ایسی بات صادر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس پہ باقی نہ رہنے دیا اور وہ رجوع کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ سو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ پھر بھی اپنے محل پہ باقی رہا اور رضوانِ خداوندی ان سے جُدا نہیں ہوئی۔

اب آیئے اس پہ ذرا اور غور کریں کہ بیعت رضوان پہ خدا کا اعلان کیا کسی آئندہ دور کی بے خبری سے تھا یا اللہ تعالیٰ بعد میں ہونے والے تمام امور کو پہلے سے جانتے تھے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ خدا کو بدا ہوا اور پھر اسے پتہ چلا کہ بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے اکثر لوگ معاذ اللہ دولتِ ایمان سے خالی تھی۔

استغفر اللہ العظیم

نجاتِ اُخروی کی سند

لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

نجاتِ اُخروی کی یہ وہ سند ہے جو کہ حُدیبیہ کے مقام پر پندرہ ۱۵۰۰ سو صحابہؓ کو دی گئی

حرقوص بن زہیر کے سوا اللہ سب سے راضی ہو چکا جو اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے سب مومنین تھے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لایدخل النّار احد شہد الحدیبیۃ الّا واحد۔ جو لوگ حدیبیہ آئے ہیں ان میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے گا سوائے ایک کے ـــ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں اس ایک سے آپ کی مراد حرقوص بن زہیر تھا سو حدیبیہ کا اعلان اگر نجات اخروی کی ضمانت نہیں تو حرقوص کے لیے نہ کہ پندرہ سو مومنین کے لیے فاعتبروا یا اولی الابصار

غزوۂ حدیبیہ میں کن کن کی مغفرت موعود ہے؟ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ارشاد

حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سبقتِ ہجرت میں کچھ کلام نہیں۔ پھر اسی سبقتِ ہجری ہی کے سبب خداوندِ کریم یوں فرماتا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، سو اوّل تو یہی کفایت کرتا تھا ..... ان کی مغفرت میں کلام کی گنجائش نہ رہی۔ کیوں کہ بزرگانِ مذکور سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

مولاناؒ نے بیعتِ رضوان کو ان کے حق میں نجاتِ اخروی کی سند قرار دیا ہے۔ حرقوص جیسے منافقین اس میں نہیں آتے ان کی وجہ سے پندرہ سو صحابہ کرامؓ کو مشتبہ کرنا کسی نیک بخت کا کام نہیں۔

بیعتِ رضوان

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

بیعتِ رضوان وہ بیعت ہے جو حدیبیہ کے مقام پر سیدنا حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے لی گئی تھی۔ یہ بیعت صحابہ کا ایک عمل تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں رضی اللہ عن المومنین کی سند دی۔ اس میں یہ کوئی شرط نہیں کہ آئندہ ان صحابہؓ کا لائحہ عمل کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اس پیش آنے والی جنگ میں اپنے اس عہد کو نہ توڑیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے دل کی باتوں کو بھی جانتے تھے اور ان کے آئندہ ہونے والے حالات بھی اس سے مخفی نہ تھے۔ بایں ہمہ اس نے ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور انہیں رضی اللہ عنہم کی سند دی۔ — کوئی شخص فقط بیعت کو نجاتِ اُخری کی سند نہیں کہتا۔ اس پر جو شاہی اعلان ہوا وہ نجات اخروی کی سند ہے۔ اللہ رب العزت کا رضی اللہ عنہم کا اعلان کیا ان کے لیے نجاتِ اُخروی کی سند نہیں ؟

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں :-

حق تعالیٰ نے رضی اللہ عن المومنین فرمایا نہ کہ عن بیعۃ المومنین اور پھر فعلم ما فی قلوبھم بھی اس کے ساتھ ملا دیا اور ظاہر ہے کہ قصد و اخلاص اور نیات کا ٹھکانا دل ہے۔ رضا صاحبِ فعل سے متعلق ہے نہ کہ فعل کے ساتھ۔

(تحفہ اثنا عشریہ اردو ص۴۰۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں دکھایا تھا کہ مسلمان مسجد حرام میں حلق و قصر کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ جن مسلمانوں کو آپ نے دیکھا ان کے ساتھ آپ مدینہ سے مکہ کی طرف چلے۔ اسی سال چلیں یہ صحابہؓ کا اپنا فیصلہ تھا۔ راستہ میں حدیبیہ کے مقام پر انہیں روک لیا گیا۔ اور حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کے طور پر مکہ مکرمہ گئے۔ یہاں مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے پندرہ سو صحابہؓ سے بیعتِ جہاد لی۔

یہ ضروری نہیں کہ ان بیعت کرنے والوں میں صرف یہ پندرہ سو ہی ہوں جو آپ کے ساتھ مدینہ سے چلے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس علاقے کے کچھ اور مسلمان بھی آشامل ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مکہ سے کچھ لوگ آکر مسلمانوں کے بھیس میں ان میں آگھسے ہوں۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ یقینی ہے کہ بیعتِ رضوان میں وہ تمام صحابہؓ موجود تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں بصورتِ رؤیا دکھائے گئے تھے اور ان کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔

بیعتِ حُدیبیہ کا دائرہ عہد

اس بیعت میں جو اقرار تھا وہ اسی متوقع جنگ کے لیے تھا کہ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر ہم پیچھے نہ ہٹیں گے اس کا آئندہ کی جنگوں جنگِ خیبر اور جنگ حنین وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہر جنگ کی اپنی تیاری ہوتی ہے اور اس کے اپنے حالات ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ وہاں جنگ نہ ہوئی اور صلح حدیبیہ کے نام سے ایک معاہدہ عمل میں آیا اور مسلمان اگلے سال کے وعدہ سے پیچھے لوٹ آئے۔ نہ جنگ ہوئی نہ کسی کے نکثِ بیعت کا ابہام پیدا ہوا۔ بیعت کرنے والے پندرہ سو مومنین سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوئے اور ان سب کو رضی اللہ عن المومنین کی سند دے دی۔

مکہ مکرمہ سے آکر کچھ لوگ اگر منافقت کے طور پر اس بیعت میں شامل ہو گئے ہوں تو ان کے لیے یہ بیعت نجاتِ اخروی کی سند قرار نہیں دی جا سکتی۔ نہ وہ مومن تھے نہ اللہ ان سے راضی ہوا — مومنین کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ سے ساتھ لے کر چلے تھے۔ رضی اللہ عنھم کی سند انہی کو حاصل ہوئی اور حضرت عثمانؓ کی بیعتِ صادقہ اس سے عیاں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کی نمائندگی فرمائی۔ جس کے نکث کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا — کیا اس بیعت میں حضورؐ کا دستِ مبارک برائے عثمانؓ رضائے الٰہی کی سند نہ بنا؟

بیعت کا مقصد ثابت قدمی دکھانا

بیعت کبھی موت پر نہیں ہوتی — یہ تبھی ہو سکتی تھی کہ کسی کو دشمن کے جیتنے کا پورا یقین ہو اور یہ سراپا اخلاص و وفا مرنے کے لیے تیار بیٹھا ہو۔ موت پر بیعت سے مراد یہ ہے کہ وہ موت سے ڈریں گے نہیں۔ اور ارادۃً میدانِ جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں گے۔ حدیبیہ کے موقع پر نہ تو لڑائی ہوئی نہ کسی کی موت واقع ہوئی اور نہ کوئی پیچھے ہٹا۔ سو اس بیعت پر خدا سے ملنے والی بشارت بغیر کسی تاویل کے اور بغیر کسی مزید تحقیق کے (کہ وہ لوگ اس بیعت پر پورے اُترے تھے یا نہیں) ان تمام مومنین پر پوری اتر گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حلق و قصر سے مسجد حرام میں داخل ہونا دکھلایا تھا۔

سو اگر یہ موت پر بیعت ہوتی تو کسی کا واپس آنا ممکن نہ تھا۔ سو صحیح اور واضح بات وہی ہے جو حضرت جابرؓ نے کہی :-

بایعناہ علی ان لا نفر ولم نبایعہ علی الموت۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صـ)

ترجمہ: ہم نے حضورؐ کی بیعت اس لیے کی تھی کہ ہم پیچھے نہ ہٹیں گے یہ نہیں کہ مر کر رہیں گے۔

یہ پندرہ سو پاکباز نفوسِ قدسیہ اگلی جنگوں (جنگ خیبر، جنگ حنین، جنگ یمامہ اور عہد خلافت کی دوسری جنگوں) میں کوئی مزید فضیلت پائیں یا نہ ـــــ کوئی آنے والا وقت اور کوئی عمل ان سے رضوان کی فضیلت نہیں چھین سکتا۔ اس بیعتِ رضوان میں اس متوقع جنگ میں ثابت قدمی سے سوا ان سے اور کوئی وعدہ نہ لیا گیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے رضائے الٰہی پا چکے ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

صلح حدیبیہ کی شرطوں کا عام مسلمانوں پر اثر

صلح حدیبیہ کی ان شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھاگ کر کفار سے آملے تو کفار اسے واپس نہ کریں گے اور کفار سے کوئی شخص آکر مسلمانوں سے آملے تو مسلمان اسے کفار کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ یہ شرط عام مسلمانوں کے لیے بڑی گراں تھی۔ اتنے میں ایک شخص ابو جندلؓ بن سہیل مسلمانوں سے آملا۔ سہیل بن عمرو نے اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات مان لی۔ جب اسے واپس کیا جا رہا تھا تو وہ فریاد کر رہا تھا :-

ای معشر المسلمین ارد الی المشرکین وجئت مسلما الا ترون ما لقیت فی اللہ و کان قد عذب عذابا شدیدا۔

ترجمہ: اے مسلمانو! مجھے مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہے۔ میں تو مسلمان ہو کر آیا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں اللہ کی راہ میں کتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں ـــــ اور یہ صحیح ہے کہ وہ بہت سی تکلیفوں میں ڈالا گیا تھا۔

صحابہؓ کی پریشانی اور پھر اس کا اٹھ جانا

اس کی اس بے قراری سے عام مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی؟ اگر انہیں یہ وسوسہ گزرا ہو کہ ہم گھاٹے میں جا رہے ہیں اور ہمارا ان کی یہ شرط ماننا درست نہیں۔ تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تجرباتی دنیا میں ایک رائے کا اختلاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے انتظامی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رائے قائم کی ہے وہ آپ کی ایک

انتظامی رائے ہے اور ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ نہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصرت کا وعدہ دے دیا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتلائی تو اب سب صحابہؓ آپ کی بات کو مان گئے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کے بارے میں تصریح ہے کہ آپ کا دل اس پر مطمئن ہو گیا اور کوئی تردد نہ رہا۔ فطابت نفسہ ورجع۔ جلد ۲ صـ ۱۰۶

مشہور اثنا عشری مفسر ہاشم بن سلیمان (۱۱۰۷ھ) لکھتا ہے :-

فلما اجابھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلح انکر علیہ عامۃ اصحابہ واشد ما کان انکارا عمر فقال یا رسول اللہ ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم قال فنعطی الذلۃ فی دیننا فقال ان اللہ وعدنی ولم یخلفنی۔ (کتاب البرہان فی تفسیر القرآن جلد ۴ صـ ۱۹۲)

ترجمہ: سو جب رسول اللہ نے مشرکین کی (ان شرائط پر) صلح مان لی تو آپ کے اکثر صحابہؓ کو ناگوار گزرا۔ سب سے زیادہ اس پر انکار کرنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ آپ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم پر حق نہیں؟ کیا ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ ـــــ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا تو کیا ہم اپنے دین میں کمزوری نہیں دکھا رہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے (کامیابی کا) وعدہ کر رکھا ہے اور اس نے کبھی اپنے وعدے کا خلاف نہیں کیا۔

صحابہ کرامؓ پر یہ شرط اس لیے گراں گزری تھی کہ وہ اسے مسلمانوں کی طرف سے ایک کمزوری محسوس کر رہے تھے کہ یہ آپ کی انتظامی رائے ہے۔ یہ نہیں کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کی انتظامی رائے ہے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اس پر نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر مجال ہے کہ کسی صحابیؓ نے اس میں کسی شک یا تردد کا اظہار کیا ہو۔

دل میں وسوسہ گزرنے کا شرعی حکم

اس طرح کا وسوسہ ذہن میں گزرے اور دل میں وہ قرار نہ پکڑے اس پر شرعاً کوئی مؤاخذہ نہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ سے وسوسہ کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ وسوسے کتنے ہی کیوں نہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر ان سے بچ جایا کرو۔ امام باقرؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑا وسوسہ لے کر آیا اور کہا۔ حضورؐ! میں تو منافق ہو گیا ہوں ـــــ آپ نے کہا :-

واللہ ما نافقت ولو نافقت ما اتیتنی تعلمنی ما الذی رابک ـــــ اظن العدو الحاضر اتاک فقال لک من خلقک فقلت الذی خلقنی فقال لک من خلق اللہ۔

(اصول کافی جلد ۲ صـ ۵۲۵ صـ ۵۲۶)

ترجمہ۔ بخدا تو منافق نہیں ہوا۔ اگر تو منافق ہو چکا ہوتا تو میرے پاس نہ آتا۔ مجھے بتا تجھے کیا شک گزرا ہے۔ میرا خیال ہے شیطان تمہارے پاس آیا ہے اور اس نے تجھے پوچھا ہے۔ تجھے کس نے پیدا کیا۔ تو نے کہا اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نے کہا ہو گا۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ ——

اس سے بڑا وسوسہ اور کیا ہو گا کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ لیکن وہ شخص اس پہ جما نہیں۔ جھٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا۔ یہ اس کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس وسوسے میں مارا نہیں گیا۔ ورنہ وہ آپ کے پاس کبھی نہ آتا۔

حُدیبیہ کے موقع پر صحابہؓ کا وسوسہ

صحابہؓ کو حدیبیہ میں جو وسوسہ گزرا وہ اس سے بڑا نہ تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابر رہے اور اپنا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی عرض کیا۔ آپ نے اس پر امر خداوندی کی اطلاع دی اور وہ وسوسہ سب کا جاتا رہا۔ اگر انہیں معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں ہی شک ہو گیا تھا وہ اس کے ازالہ کے لیے حضورؐ سے ہی عرض کیوں کرتے۔ ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برابر رہنا اور مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرنا ان کے ایمان اور ان کے باطن کی خبر دیتا ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے الدر المنثور میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی طرف نکلے۔۔۔۔ جب ابو جندلؓ کو مکہ والوں کی طرف لوٹایا جا رہا تھا اور وہ فریاد کر رہا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا:۔

واللّٰہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت ألست من اللّٰہ قال بلی فقلت ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی۔

(الدر المنثور جلد ۶ ص ۷۷)

ترجمہ۔ بخدا جب سے میں اسلام لایا مجھے اپنے موقف کے غلط ہونے کا کبھی شک نہ ہوا تھا۔ مگر اس دن (کہ ہم مسلمان گھاٹے میں جا رہے ہیں) پس میں حضورؐ کے پاس آیا کہ کیا آپ اللہ کی طرف سے نہیں؟ (یہ استفہام اقراری تھا) آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں ——

آقا اور غلام میں یہ بات پردہ اعتماد میں ہو رہی ہے۔

اس وسوسے کی روایت کیا سنداً صحیح ہے؟

مروان بن حکم شاید اس وقت پیدا بھی نہ ہوا ہو۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا یہ واقعہ کس سے نقل کر رہا ہے؟ مسور بن مخرمہ کی عمر بھی اس وقت چار سال ہو گی۔ وہ چھ سال کی عمر میں مکہ سے مدینہ آیا۔ حدیبیہ میں وہ اس وقت کہاں سے آ گیا تھا جو وہاں کا یہ واقعہ وہ نقل کر رہا ہے ——— اسے بھی جانے دیجئے۔ یہ تبلائیے کہ کوئی وسوسے کر آپ کی خدمت میں آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشاد کے مطابق مومن ہونے کی دلیل ہے یا منافق ہونے کی ——— اسے بھی جانے دیجئے۔ حضرت عمرؓ کی اس تشویش میں عامہ اصحاب حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے یا نہیں؟ کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ حضرت علیؓ ان میں سے نہ تھے نہ وہاں تھے۔

اس غیر متصل السند روایت سے اتنے بڑے دعوے کو بیان کرنا کیا کسی صاحبِ علم کا کام ہو سکتا ہے یہ آپ خود سوچ لیں۔

شک کے معنی کے لیے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت

پیش نظر رہے کہ شک یہاں انکار کے معنی میں نہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی یہ آیت سامنے رکھیے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہا تھا:۔

فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک۔

(پ۱۱ یونس ع ۱۰ آیت ۹۹)

ترجمہ۔ پس جو قرآن ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اگر اس کے بارے میں تم کسی شک میں ہو تو ان لوگوں سے پوچھ دیکھو جو تجھ سے پہلے تورات پڑھتے آئے ہیں۔

کیا حضورؐ کو وحی الٰہی میں کسی قسم کا شک ہو سکتا ہے؟ ——— ہرگز نہیں۔

شیعوں کی تفسیر عیاشی میں موسےٰ بن محمد بن الرضا سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی سے اس آیت کے متعلق پوچھا۔ اس میں مخاطب کون ہے۔ انہوں نے کہا:۔

المخاطب بذلک رسول اللّٰہ ولم یکن فی شک مما انزل اللّٰہ ولکن قالت الجھلۃ کیف لم یبعث الینا نبیا من الملئکۃ۔ (کتاب البرہان جلد ۲ ص ۱۹۸)

ترجمہ۔ اس آیت میں مخاطب بے شک رسول اللہ ہی ہیں۔ آپ کو اللہ کی بتائی ہوئی بات میں شک نہ تھا عوام کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے کسی کو نبی بنا کر ہماری طرف کیوں نہ بھیج دیا۔

اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توقف کو یہاں شک کہا گیا ہے۔ جواباً حضورؐ کو توجہ دلائی گئی کہ کیا پہلے بھی انسانوں سے ہی نبی نہیں آتے رہے۔ اس لیے آپ بے شک ان لوگوں سے پوچھ لیں جو اہل کتاب چلے آرہے ہیں اگر بات میں کچھ تردّد ہو (نہ کہ اس کے خدا کی وحی ہونے میں معاذاللہ کوئی تردد تھا)۔

افسوس کہ صحابہؓ کے اس وقتی وسوسے کو اثنا عشری شیعہ صحابہؓ دشمنی میں اس بات پہ لے آئے کہ گویا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں ہی شک ہو گیا تھا — بشیر حسین لکھتا ہے :-

انہیں حضور کی نبوت پر ہی شک و شبہ ہو گیا۔ (پمفلٹ مذکور ص۵ سطر ۹)

ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا پھر سورۂ یونس کی اس آیت کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی وحی میں شک ہو گیا تھا کہ شاید کسی اور کی طرف سے آرہی ہو۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

جب امام باقرؒ نے بڑے سے بڑے وسوسے کو بھی کوئی راہ نہیں دی تو شیعوں کا اس ضعیف اور غیر متصل السند روایت کو اس انداز میں پیش کرنا کہ صحابہؓ کو حضورؐ کی نبوت میں ہی شک ہو گیا تھا۔ اگر صحابہ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کے یہی وہ وجوہ خطاب ہیں جن کے باعث مسلمان ناموسِ صحابہ کا تحفظ چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ بل اسمبلی میں لا رہے ہیں۔

معزز ارکانِ اسمبلی! —

آپ اس موضوع کی نزاکت کا خود احساس کریں صحابہؓ کے دل پہ مقام حدیبیہ میں کیا گزر رہی تھی۔ پھر آپ کو اپنے اس لہجہ پہ بھی افسوس ہوا — کیا یہ اندر کے ایمان کی آواز نہیں؟

"بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لیے روزے رکھے اور نفلیں پڑھیں خیرات دی اور غلام آزاد کیے" (الفاروق مولانا شبلیؒ ص۳۲)

نہیں تو شیعی تفسیر البرہان میں ہی دیکھ لیجیے :-

فاعتذروا الی رسول اللہ وندموا علی ما کان منھم۔ (کتاب البرہان جلد ۴ ص۱۹۲)

ترجمہ۔ سو انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتذار کیا اور اُن سے جو کچھ ہوا اس پہ نادم ہوئے۔

پھر شیعی مفسر قمی (۳۰۷ھ) کے یہ الفاظ بھی دیکھ لیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے کل معاملے کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دے دیا تھا :-

فاصنع ما بدالك۔ (تفسیر قمی جلد ۱ ص۳۱۲)

ترجمہ۔ آپ اسی پہ عمل کریں جو بات آپ پہ کھلی ہے (ہمیں اب کوئی تردد نہیں ہے)۔

شک کے معنی انکار کے نہیں ہوتے

شک اصل میں سینہ کی تنگی کا نام ہے کہ دل اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ عرب اسے کس معنی میں لیتے ہیں؛ جب کوئی اپنے کپڑے کو بدن کے ساتھ چمٹائے تو کہتے ہیں شك الثوب۔

الشك فی اللغة اصله الضیق یقال شك الثوب ای ضمه بخلال۔ (تفسیر قرطبی جلد ۸ ص۳۸۲)

شک کا کنارا انکار کو نہیں چھوتا یہ ایک توقف ہے جو دل میں گزرتا ہے۔ وسوسہ کے آگے یہ انکار کی کوئی راہ نہیں ہے۔

ملا محمد بن حسن الطوسی شیعہ لکھتا ہے :-

الشك هو توقف النفس فیما یخطر بالبال عن اعتقاده علی ما هو به وعلی ما لیس به۔

(التبیان فی تفسیر القرآن جلد ۵ ص۴۲۰)

کیا اب بھی بشیر حسین کا شک دور ہوا یا نہیں۔ یا ان کے ہاں شک انکار کا ہی دوسرا نام ہے؟

اختلاف قرأت میں وسوسے کی بات کہاں لگادی

قرآن کریم کی ایک آیت ہشام بن عروہؓ نے اور طرح پڑھی۔ حضرت عمرؓ پہلے اسے اور طرح پڑھ چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے اسے (اختلاف قرأت کی بنا پر) دونوں طرح پڑھنا صحیح بتلایا۔ اس پہ حضرت عمرؓ کو سخت تعجب ہوا کہ ایک آیت ان دو پیرایوں میں کیسے ہو سکتی ہے (ابھی آپ کو مسئلہ اختلافِ قرأت کی تفصیل کا علم نہیں ہوا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے سے کچھ تردد کے آثار دیکھے اور فرمایا کہ شیطان کو اپنے سے دور رکھ۔

(فتح الملہم جلد ۲ ص۳۶۱)

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے قریب کے ساتھیوں پر اتنی گہری نظر ہوتی تھی کہ وہ ان کے چہروں سے ان کے اندر کی بات پہچانتے تھے — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے ان کے اس تردد پہ انہیں شیطان کو اپنے سے دور کرنے کی تلقین کی۔ بس اگر حضرت عمرؓ اپنے دل میں ایمان کا نور نہیں رکھتے تھے تو آپ نے انہیں اس وسوسہ پہ شیطان کو اپنے سے دور کرنے کی تلقین کیوں فرمائی — یہ روایت حضرت عمرؓ کے ایمان کی ایک نبوی شہادت ہے — یہ شیطان کو دور کرنا اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے رجس کو اہلبیت سے دور فرمایا۔ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت۔

نہایت افسوس ہے کہ بشیر حسین مذکور نے اختلاف قرأت کے اس موقعہ کو حدیبیہ کے شک سے جوڑ دیا ہے یہ حدیبیہ کے موقعہ کی بات نہ تھی۔ بشیر حسین نے کہاں کی بات کہاں لگا دی۔

بشیر حسین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے گویا اس کا موضوع بھی صلح حدیبیہ کی وہی شرط ہے۔ افسوس صحابہ دشمنی کے نشہ میں چور چور شیعہ کہاں سے کہاں جا پہنچے اور انہوں نے اختلاف قرأت نہ سمجھنے کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک کی دلیل بنا دیا۔

تاہم اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا باطن اتنا پاک اور صاف تھا کہ اگر اس پر کبھی ذرا سا سیاہ بادل بھی آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتہ چل جاتا تھا اور آپ ساتھ ہی انہیں دفع شیطان کی تلقین فرما دیتے تھے۔ آپ کا یہ وہ اعتماد تھا جس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔

پھر یہ سب واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے عرصہ میں ہوئے اور ظاہر ہے کہ ان سے استدلال کر کے صحابہؓ کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اپنی مرضی کو قائم کرنا ہے اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی کسی امتی کو اجازت نہیں ہو سکتی۔

بشیر حسین کی ایک شرمناک سرخی ملاحظہ ہو

"مزید سنیئے کہ بیعت الرضوان والوں نے کیا کیا گل کھلائے"

کیا ان بیعت الرضوان والوں میں حضرت علی المرتضیٰؓ شامل نہ تھے۔ آخر کچھ ان کا ہی لحاظ کیا ہوتا اور یہ شیعہ مصنف لفظ بیعت الرضوان اس طنز کے ساتھ نہ لکھتا۔

تاہم آیئے ہم ان واقعات کی بھی تفصیل کیئے دیتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ذمہ یہ بات لگائی ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والوں میں منافق بھی تھے جو کسی طرح رضی اللہ عنھم کا مصداق نہیں بن سکتے۔

حضرت نانوتویؒ نے اس اجمال میں خود بھی ایک اشارہ کر دیا تھا۔ اگر بشیر حسین مذکور اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیتا تو اس کا قلم یہ شرمناک سرخی کبھی نہ لکھتا۔ مگر چونکہ اس کا دل صحابہؓ دشمنی سے لبریز تھا اس لیے اس نے اس منافق کا نام نہ لیا جس کی طرف مولانا نانوتویؒ نے اپنے اجمال میں اشارہ کر دیا تھا۔

لیجیے ہم وہ نام پیش کیے دیتے ہیں۔ وہ حرقوص بن زہیر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص استثناء کر کے اسے بیعت رضوان کی بشارت سے نکال دیا تھا ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:۔

لایدخل النار احد شہد الحدیبیہ الا واحد۔

ترجمہ۔ حدیبیہ کے شاملین میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے گا سوائے ایک کے۔

صحابی ہونا صرف له صحبة سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی اور صحابی اس کے صحابی ہونے کی شہادت دے نہ کہ اس کے لیے فلم اجد احدًا یعرفه کے الفاظ ملیں۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۲)

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ وہ شخص جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کی بشارت سے خارج کر دیا وہ حرقوص تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

فکان هو حرقوص بن زهیر۔ (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲)

معزز اراکین اسمبلی ــــ

آپ انصاف فرمائیں کہ اثنا عشری شیعہ اس منافق (حرقوص) کے اجمال میں کن کن بڑی شخصیتوں کو شک کی چادر میں لا رہے ہیں۔ صحابہ دشمنی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے ــــ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آیئے اس ابتدائی دور کا ایک اور واقعہ سمجھیں۔

حضرت قدامہ بن مظعونؓ

آپ بدری ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ آپ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف ایک گناہ عمل میں آیا تھا اور اس کی سزا آپ کو دنیا میں ہی مل گئی ــــ آپ حد جاری ہونے سے اس گناہ سے پاک ہو گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کو عالم آخرت کا سفر پیش آیا۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ اس گناہ سے پاک ہو چکے تھے تو آخرت میں اگر آپ مقام رضوان کی سعادت پالیں اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو مقام حدیبیہ ان صحابہؓ سے ہوا تھا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ ان پر بھی پورا ہو تو اس میں کون سا مانع شرعی ہے؟ رضی اللہ عنھم کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات سے دنیا میں کوئی غلطی صادر نہ ہو گی۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ کسی گناہ کے بوجھ تلے آخرۃ کو روانہ نہ ہوں گے۔ جو شخص حضرت قدامہ بن مظعونؓ کے مجموعی اعمالِ زندگی پر نظر کرے ناممکن ہے کہ وہ آپ کے جنتی ہونے اور رضی اللہ عنہ ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ کرے ــــ قرآن کریم میں ہے کہ وزن اعمال برحق ہے اچھے اور برے اعمال کا موازنہ ضرور ہو گا۔ ایک برے عمل سے زندگی کی تمام نیکیوں کی متاع لٹ نہیں سکتی۔

حضرت قدامہؓ آیت کی غلط فہمی میں

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے انہیں کھانے پینے میں اسلام نے کوئی شرط نہیں لگائی مثلاً یہ

کہیں نہیں کہا کہ نماز پڑھو تو پانی پینا جائز ہے — پانی پینا تو ویسے ہی جائز تھا تو اب اگر کوئی شخص پانی پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا تو اسے آخرت میں نماز نہ پڑھنے کے جرم میں تو مواخذہ ہوگا پانی پینے کے جرم میں نہیں نہ یہ جرم تھا — قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ سچ بولو تو آم کھانے جائز ہیں ورنہ جائز نہیں — کسی نیکی سے وہی عمل مشروط کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات میں تو قابل گرفت ہو مگر اس نیکی کے ساتھ تُل کر اس کا پلڑا اُٹھ جائے اور کرنے والا اس کی گرفت میں نہ آئے۔

اب قرآن پاک کی اس آیت پر غور کریں ؛۔

لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا و اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت۔ (پ المائدہ آیت ۹۳)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو انہوں نے کھایا بشرطیکہ وہ تقوےٰ اختیار کریں اور ایمان سے رہیں اور اعمال صالحہ بجا لائیں۔

اب اس شرط سے جو عدم گناہ کی خبر دی جا رہی ہے۔ حضرت قدامہؓ کے نزدیک یہ عام حلال چیزوں سے متعلق نہیں بلکہ ان چیزوں کے لیے ہے جو کسی درجے میں ممنوع ہوں اور اس کے نیک اعمال کے تقابل میں ان کا پلڑا اٹھ جائے اور وہ مؤاخذہ میں نہ آئیں۔

حضرت عمرؓ نے آیت کی مراد صحیح سمجھی تھی

حضرت قدامہؓ اس تاویل کے باعث اس گناہ پر معافی کے اُمیدوار تھے۔ آیت کی یہ تفسیر جمہور صحابہؓ کی تفسیر کے خلاف تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ کے اجتہاد کو رد کرتے ہوئے فرمایا ؛۔

اخطاءت التاویل۔ (المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص۲۴۲)

ترجمہ۔ آپ نے آیت کی مراد پانے میں غلطی کی ہے۔

اب نظامِ اسلام کے کامل قیام کے لیے خلافت کے لیے ضروری تھا کہ حضرت قدامہؓ پر حد جاری کی جائے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ آپ پر عند اللہ بھی اس پر مواخذہ ہو ممکن ہے انہیں شک کا فائدہ ملے — خصوصًا جب کہ آپ حد کی تکلیف بھی پا چکے۔ شراب پینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈھلے ہوئے نہ تھے۔

بعض مجرموں میں اللہ اور اُس کے رُسول کی محبّت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر شراب پینے کے جُرم میں حد کا حکم نافذ فرمایا اور حد جاری کی۔

کسی شخص نے اس دوران اسے بُرا بھلا کہا — اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ؛۔

لاتلعنوہ فواللہ ما علمت انہ یحب اللہ ورسولہ۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۰۲)

ترجمہ۔ اسے لعنت نہ کرو بخدا جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ شراب پینے اور اس پر سزا نافذ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ شخص اب اللہ اور اس کے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لائق نہ رہا ہو۔

شراب پر حد تو درکنار حضرت ماعزؓ پر جب زنا کی حد لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوسرے صحابہؓ کو اس کے باطن کی یُوں خبر دی ؛۔

لقد تاب توبۃ لو قسمت بین امۃ لوسعتھم۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص۶۸)

ترجمہ۔ بے شک اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک امت میں بانٹ دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ؛۔

لقد رایتہ یتخصص فی انہار الجنۃ۔ (الاصابہ لابن حجر جلد ۳ ص۳۴۷)

ترجمہ۔ بے شک میں نے اسے جنّت میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔

اب کیا یہ مقام حضرت ماعزؓ کو اس کے بغیر مل سکتا تھا کہ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہو۔ بشیر حسین مذکور کا بعض صحابہؓ کی اس قسم کی غلطیوں پر رضی اللہ کا طنزیہ اطلاق بتلا رہا ہے کہ یہ اثنا عشری لوگ علم سے کتنے دُور جا کھڑے ہوئے ہیں کہ انہیں اسلام کے ان مبادی کی بھی خبر نہیں ہے کہ آخرت کے فیصلے اعمال تُلنے پر ہوں گے کوئی ایک غلطی سب نیکیوں کو بہا کر نہیں لے جا سکتی۔ یہ نیکیاں ہیں جو بُرائیوں کو بہا لے جاتی ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ماعزؓ پر کچھ سخت کلمات کہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت سختی سے روکا۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابیؓ حد جاری ہونے کے باوجود ہرگز لائق جرح نہیں ہوتا اور اس کی توہین کی کسی دوسرے کو کیا کسی صحابی کو بھی اجازت نہیں۔ جب اس پر ایک صحابیؓ (حضرت خالد بن ولیدؓ) کو بھی جرح کی اجازت نہیں تو ایک عام امتی کو اس پر انگلی اُٹھانے کا کیسے حق مل سکتا ہے — اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حد پانے سے صحابیت اور رضی اللہ عنہ کی قبا ان سے اُتری نہ تھی ورنہ صحابی کو اس پر جرح سے نہ روکا جاتا — اعلیٰ کا ادنیٰ پر جرح کرنا کہیں محل ملامت نہیں ہوتا — فافہم وتدبر۔

حضرت رفاعہ بن رافع بن مالک انصاریؓ

حضرت رفاعہؓ کے بارے میں بشیر حسین لکھتا ہے۔

رفاعہ بن رافع نے حضرت عثمان کے گھر کا دروازہ جلا دیا جب یہ دروازہ خاکستر ہو کر گرا تو دوسرا دروازہ ہنگامہ کرنے والوں کے لیے کھول دیا اور حاکم وقت کے گھر میں مشتعل ہجوم داخل ہو گیا۔ صـ۵۸

اس عبارت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ حضرت رفاعہؓ ہنگامہ کرنے والوں میں نہ تھے ہنگامہ کرنے والے بعد میں آئے ـــــ اب اصل واقعہ سنیئے۔ دروازہ جلانے والے ہنگامہ کرنے والے ہی تھے نہ کہ حضرت رفاعہ بن رافعؓ۔ بشیر حسین نے جھوٹ کہا ہے۔ تاریخ میں دیکھ لیجیے۔

واحاطوا بالدار وجدوا فی الحصار واحرقوا الباب وتسوروا عن الدار المناخمة للدار کدار عمرو بن حزم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۱۸۸)

ترجمہ۔ اور ان باغیوں نے گھر کا احاطہ کر لیا اور محاصرہ سخت کر دیا اور دروازہ جلا دیا اور اس گھر کے ساتھ والے گھر سے یہ دیوار پر چڑھ آئے۔

جب وہ حملہ آور آئے تو اس قدر ہنگامہ تھا کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ دروازے پر کون ہے لوگوں کا ہجوم ہی ہجوم تھا بشیر حسین موصوف نے معلوم نہیں کہاں سے دیکھ لیا کہ ایک آدمی دروازہ جلا رہا ہے۔ ابن اثیرؒ لکھتا ہے:۔

واقتحم النّاس الدار من الدور التی حولھا و دخلوا من دار عمرو بن حزم الی دار عثمان حتی ملئوھا ولا یشعر من فی الباب وغلب النّاس علی عثمان۔ (الکامل لابن اثیر جلد ۳ صـ۸۹)

ترجمہ۔ لوگ گھر میں ساتھ کے گھروں سے گھسے۔ وہ عمرو بن حزم کے گھر کی طرف سے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے یہاں تک کہ وہ بھر گیا اور پتہ نہیں چلتا تھا دروازے پر کون ہے اور لوگ حضرت عثمانؓ پر غالب آئے۔

تاریخ بتا رہی ہے کہ اس ہنگامے میں پتہ نہیں چلتا تھا کہ دروازے پر کون ہے۔ مگر بشیر حسین کہتا ہے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ رفاعہ بن رافع تھے۔ تاریخ بتاتی ہے ان حملہ آوروں نے دروازہ جلایا۔ مگر بشیر حسین کہتا ہے نہیں رفاعہ بن رافع نے جلایا۔ تاریخ کہتی ہے دروازہ حملہ آوروں کے آنے پر جلا۔ بشیر حسین کہتا ہے نہیں ان کے آنے سے پہلے جلا ـــــ جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں جن لوگوں نے یہ ہنگامہ کیا اور گھر کا دروازہ جلایا ان میں کوئی صحابی نہ تھا اور نہ صحابہؓ کی اولاد میں سے محمد بن ابی بکر کے سوا کوئی اور تھا۔ اور محمد بن ابی بکر کا پیچھے ہٹ جانا کسے معلوم نہیں؟ ـــــ

حافظ ابن کثیر حافظ ابن عساکر سے نقل کرتے ہیں:۔

تسوروا علیه الدار واحرقوا الباب ودخلوا علیه ولیس فیھم احد من الصحابة ولا من ابنائھم الا محمد بن ابی بکر۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ۱۵۸)

اور آگے چل کر پھر یہ بھی لکھتے ہیں:۔ دیکھیئے صـ۱۹۸

ما یذکرہ بعض النّاس من ان بعض الصحابة اسلمه ورضی بقتله فھذا لا یصح عن احد من الصحابة انه رضی بقتل عثمانؓ بل کلھم کرھه ومقته وسبّ من فعله۔ ولم یشارک فی قتله احد من الصحابة وانما قتله ھمج ورعاع من غوغاء القبائل وسفلة الاطراف والارذال تحزبوا وقصدوہ من مصر۔ (نووی جلد ۲ صـ۲۷۲)

حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ

ان کا گھر حضرت عثمانؓ کے گھر کے ساتھ تھا جب حملہ آوروں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور پانی اندر نہ جا سکتا تھا۔ تو حضرت عمرو بن حزمؓ کے گھر والے رات کو خفیہ طور پر حضرت عثمانؓ کے ہاں پانی پہنچاتے تھے

ولم یبق یحصل لعثمانؓ واھله من الماء الا ما یوصله الیھم آل عمرو بن حزم فی الخفیة لیلاً فانا للہ وانا الیه راجعون۔ (البدایہ جلد ۷ صـ۱۸۷)

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ اور ان کے گھر والوں کے لیے پانی نہ رہا مگر وہ جو عمرو بن حزمؓ کے گھر والے چھپ کر ان کو پہنچاتے تھے۔

حضرت عمرو بن حزمؓ نے اس مصیبت میں حضرت عثمانؓ سے پانی پہنچانے کا تعاون کیا۔ مگر بشیر حسین کہتا ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا کہ حملہ آور اس راہ اندر داخل ہو جائیں یہ متضاد باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں شیعہ علماء کچھ تو ہوش کے ناخن لیں۔ کیا اثنا عشریوں کا علم اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن حزمؓ نے دروازہ کھول کر لوگوں کو ان حملہ آوروں کے سد باب کے لیے بلایا تھا نہ کہ ان کی مدد کے لیے۔ چنانچہ لوگ آئے اور ان حملہ آوروں سے لڑے مگر یہ کم تھے شکست کھا گئے۔ طبری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:۔

فلم یزل الناس یقتتلون حتی فتح عمرو بن حزم الانصاریؓ باب دارہ وھو الی جنب دار عثمانؓ بن عفان ثم نادی النّاس فاقبلوا علیھم من دارہ فقاتلوھم فی جوف الدار حتی انھزموا۔ (طبری جلد ۵ صـ۱۲۵)

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت سعد بن عبادہؓ

حضرت سعد بن عبادہ خزرجیؓ کے گھر میں سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ چُنا گیا تھا اور انہوں نے وہاں اُن پر انکار نہ کیا تھا. خاموشی سے اس خلافت کو مان لیا.

اب رسمی بیعت نہ کرنے پر انہیں منکرِ خلافت کہنا کسی پڑھے لکھے آدمی کا کام نہیں اور اس پر انہیں جبری کہنا کیا دوسرے لفظوں میں حضرت علیؓ پر اعتراض نہیں. جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی. کیا وہ جبری نہ تھے؟ شیعہ حضرات کو کچھ تو سوچنا چاہیئے.

حدیث اصحابی کالنجوم. صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں.

ابوبردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

النجوم امنۃ للسماء فاذا ذھبت النجوم اتی السماء ما توعد وانا امنۃ لاصحابی فاذا ذھبت انا اتی اصحابی ما یوعدون واصحابی امنۃ لامتی فاذا ذھب اصحابی اتی امتی ما یوعدون. (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

ترجمہ. ستارے آسمان کی بقا ہیں. جب ستارے نہ رہیں گے تو آسمان پہ وہ حالت آئے گی جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے. میں اپنے صحابہؓ کے لیے سبب امن ہوں جب میں چلا جاؤں گا. تو میرے صحابہؓ پہ وہ گزرے گی جس سے (جن فتنوں سے) انہیں ڈرایا گیا ہے اور میرے صحابہؓ میری امت کے لیے امن کا نشان ہیں جب میرے صحابہؓ نہ رہیں گے تو میری امت پہ وہ کچھ گزرے گی جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے.

اس حدیث میں حضورؐ نے صحابہؓ کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے اور اس وقت تک امت کے ہدایت پر رہنے کی خبر دی ہے جب تک وہ رہیں گے. اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں ان کے باعث ہدایت قائم رہے گی.

جب ہدایت ان کے باعث ہے تو ظاہر ہے کہ امت کو ان کی پیروی کرنی چاہیئے اھتداء بالنجوم سے اقتداء بالنجوم کی تلمیح لی گئی ہے.

حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میں بھی یہی مضمون ہے. صحیح مسلم کی حدیث ان الفاظ میں ہے جو ہم نے اوپر نقل کیے ہیں. یہ خط کشیدہ الفاظ جامع الاصول میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملتے ہیں. علامہ سیوطیؒ نے الشفاء للقاضی عیاضؒ کی احادیث کی تخریج کی ہے. اس میں علامہ سیوطیؒ نے اس روایت کو ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے. حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تخریج احادیث الرافعی باب آداب القضاء میں

اسے نقل کیا ہے اور سنداً ضعیف کہا ہے. یہ اس بات کی تصریح ہے کہ حدیث موضوع نہیں صرف ضعیف ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں.

اس کا مضمون وہی ہے جو اوپر صحیح مسلم کی حدیث کا ہے. مجدد قرن دہم ملا علی قاریؒ دونوں حدیثوں کو ملاتے ہوئے لکھتے ہیں :-

یمکن ان یتلمح ذلک من معنی الاھتداء بالنجوم قلت الظاھر ان الاھتداء فرع الاقتداء. (مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۰)

ترجمہ. ممکن ہے اقتداء بالنجوم تلمیح ہو اھتداء بالنجوم کی. میں کہتا ہوں ظاہر ہے کہ اھتداء اقتداء کی ہی شاخ ہے.

اور ملا علی قاریؒ پہلے یہ لکھ آتے ہیں :-

قلت ولھذا قال صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم.

(مرقات جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۴)

بشیر حسین کہتا ہے مدینہ یونیورسٹی والوں نے اسے معتبر نہیں سمجھا.

ہم کہتے ہیں امام جعفر صادقؒ اور امام باقرؒ نے تو اسے تسلیم کیا ہے. اب یہ مرضی بشیر حسین کی ہے کہ وہ مدینہ یونیورسٹی کی بات مانے یا امام باقرؒ کی ــــــ امام باقرؒ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فانما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم فبایّھا اخذ اھتدیٰ وبای اقاویل اصحابی اخذتم اھتدیتم. (بصائر الدرجات للصفار جلد ۱ صفحہ ۱۱ معانی الاخبار لابن بابویہ القمی صفحہ ۵ کتاب الاحتجاج للطبرسی صفحہ ۱۸۴ طبع ۱۳۰۲ھ)

ترجمہ. میرے صحابہؓ تم میں ایسے ہیں جیسے ستارے. جس کی بات بھی لی گئی ہدایت لی گئی. میرے صحابہؓ کے اقوال میں سے جو بھی تم نے لیا تم ہدایت پا گئے.

بشیر حسین کی دیدہ دلیری

بشیر حسین مذکور نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت معاویہؓ کاتب وحی نہ تھے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۶۳ صفحہ ۶۴ پر تین حوالے دیئے ہیں :-

۱. مرقات شرح مشکوٰۃ ۲. مدارج النبوت ۳. الاکمال فی اسماء الرجال

ان کتابوں کے مصنفین بالتدریج خطیب تبریزیؒ (۷۴۳ھ) ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں. ان میں پہلے خطیب تبریزیؒ ہوئے. ان کی عبارت ملاحظہ ہو :-

كان هو وابوه من مسلمة الفتح ثم من المؤلفة قلوبهم وهو احد الذين كتبوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم الوحي وقيل لم يكتب من الوحي شيئاً انما كتب له كتبه وروى عنه ابن عباس وابو سعيد تولى الشام۔ (الاکمال ص۶۱۷)

ترجمہ۔ وہ اور ان کے والد فتح مکہ پر اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ مؤلفۃ القلوب میں بھی رہے اور وہ (معاویہؓ) ان لوگوں میں سے تھے جو حضورؐ کے لیے وحی لکھتے رہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ آپ وحی نہ لکھتے تھے آپ کے خطوط لکھتے تھے۔ آپ سے حضرت ابن عباسؓ اور ابو سعیدؓ نے حدیث روایت کی ہے آپ شام کے والی رہے۔

دوسرے درجے پر عبارت ملا علی قاریؒ کی مرقات شرح مشکوٰۃ کی ہے۔ یہ ہو بہو وہی عبارت ہے۔ اور ملا علی قاریؒ نے یہیں سے لی ہے۔ مگر کتابت سے لفظ وحی رہ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

كان هو وابوه من مسلمة الفتح ثم من المؤلفة قلوبهم وهو احد الذين كتبوا الرسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل لم يكتب من الوحي شيئاً۔ (مرقات جلد ا ص۲۷)

اب بشیر حسین کی دیدہ دلیری دیکھیے جو کتاب زمانًا پہلے تھی اس کی عبارت نہیں لکھی صرف نام کتاب لکھ دیا ہے ـــــ ایسا کیوں؟ تاکہ بات نہ کھل جائے۔ اس میں تو صریح طور پر حضرت امیر معاویہؓ کو کاتبِ وحی تسلیم کیا گیا تھا۔

مرقات کی عبارت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ قیل لم یکتب من الوحی شیئاً کے الفاظ بتاتے ہیں کہ پہلے آپ کے کاتبِ وحی ہونے کا بیان ہوا ہے تبھی تو قیل کے ساتھ دوسرا قول نقل کیا جا رہا ہے ـــــ اس قسم کی عبارت تبھی ہوتی ہے کہ پہلے اس موضوع پہ بات اس کے بالعکس ہو چکی ہو۔

پھر بشیر حسین کا یہ جملہ بھی اثنا عشری دیانت کا نمونہ ہے:-

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ معاویہ کاتبِ وحی نہ تھا۔ کتابچہ مذکورہ ص۶۳

اب ذرا دیکھیں مؤرخین کیا کہتے ہیں:-

والمقصود منه ان معاوية كان من جملة الكتاب بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين يكتبون الوحي۔ (البدایہ جلد ۸ ص۱۱۹)

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:- وكان يكتب الوحي۔ (ایضاً)

اور اس سے پہلے یہ لکھ آئے ہیں:-

وصحب معاويه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكتب الوحي بين يديه مع الكتاب۔

(ایضاً ص۱۱۷)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ حضورؐ کے سامنے دوسرے کاتبوں کے ساتھ مل کر وحی لکھتے تھے۔

اور یہ بھی لکھا ہے:-

وكاتب وحي رسول رب العالمين۔ (ایضاً جلد ۸ ص۱۱۷)

آپ اللہ رب العالمین کے رسولِ برحق کے کاتبِ وحی ہیں۔

حافظ ابن حزم اندلسی (۴۵۷ھ) بھی لکھتے ہیں:-

كان زيد بن ثابت من الزم الناس لذلك ثم تلاه معاوية بعد الفتح فكانا ملازمين للكتابة بين يديه صلى الله عليه وسلم في الوحي وغير ذلك لا عمل لهم غير ذلك۔

(جوامع السیر لابن حزم ص۲۷)

دیکھیے یہاں کس وضاحت سے حضرت امیر معاویہؓ کا کاتبِ وحی ہونا مذکور ہے بلکہ حضرت زید بن ثابتؓ کے بعد کتابتِ وحی میں آپ کا ہی نمبر تھا۔

سوال: حضرت عثمانؓ نے آپ کو جمع قرآن کی کمیٹی میں کیوں شامل نہ کیا؟

جواب: یہ ایک علمی کام تھا۔ آپ بے شک عظیم فقیہ تھے لیکن آپ کی سیاسی عبقریت اور انتظامی صلاحیت اس سے بھی آگے تھی۔ حضرت عثمانؓ کی نظر میں آپ کا رومیوں کی سرحد پہ رہنا مملکتِ اسلامی کے تحفظ کے لیے زیادہ ضروری تھا۔ جمع قرآن صرف چند نسخوں سے نہ تھا جو حضورؐ کی زندگی میں لکھے گئے تھے۔ جمع قرآن میں حضرت زیدؓ کو ایک ایک نسخہ کی ضرورت بھی نہ تھی ـــ پھر یہ حضورؐ کے لکھائے نسخے ان کاتبین وحی کی ذاتی میراث نہ تھے۔ ان کی ایک قومی حیثیت تھی۔ حضورؐ نے یہ خود لکھوائے تھے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ حضرت معاویہؓ اپنی لکھی تحریرات کو اپنے ساتھ شام لے گئے ہوں۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو امہات المومنین صرف تعظیم و تکریم اور حرمتِ نکاح کے پہلو سے کہا گیا ہے یا اس تعلق سے دوسری نسبتوں میں بھی یہ اعزاز ملحوظ ہو سکتا ہے؟

جواب: امہات المؤمنین کی نسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اب المومنین کہا جا سکتا ہے بعض صحابہؓ نے قرآن کریم کی آیت وازواجہ امہاتہم کے ساتھ صاف لفظوں میں ہو اب لہم کہا۔ آپؐ اپنی امت کے تمام مردوں کے باپ ہیں لیکن امت کی تمام عورتوں کے نہیں۔ اسی نکتہ کے باعث حضرت عائشہ صدیقہؓ نے امت کی عورتوں کی ماں کہلانا مناسب نہ سمجھا۔

سو آنحضرتؐ اگر امہات المومنین کی وجہ سے اب المومنین ہو سکتے ہیں تو ازواج مطہرات کے بھائیوں کو اگر تکریم کے پہلو سے اخوال المومنین کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضورؐ اب المومنین تو ہیں لیکن آپ کی

بیٹیاں حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کی بہنیں نہ ہوئیں۔ ان کے نکاح ان حضرات سے بالکل درست ٹھہرے۔ اسی طرح نکاح میں یہ تکریمی نسبت کبھی مانع نہ ہو سکی۔ حضرت اسماءؓ کا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا اور کسی نے نہ کہا کہ یہ خالۃ المومنین ہیں معلوم ہوا یہ تکریمی نسبتیں نکاح میں کبھی رکاوٹ نہ بنیں اور نہ اس وقت کوئی ان تکریمی نسبتوں کا اعلان کرتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی ان تکریمی نسبتوں کا اظہار جائز نہیں۔ اس پہلو سے اگر حضرت معاویہؓ کو خال المومنین کہا جائے تو اس میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ حضورؐ کا ان سے نکاح ۶ ہجری میں ہوا تھا اور فتح مکہ کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے حضورؐ سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ۱۔ معاویہؓ کو کاتب رکھنے کا۔ ۲۔ بیٹی کو نکاح میں لینے کا اور ۳۔ اپنے امیر لشکر بننے کا۔

اس پر سوال پیدا ہوا کہ ان کی بیٹی ام حبیبہؓ تو پہلے سے آپ کے نکاح میں تھی۔ یہاں اس کے نکاح کی پیشکش کیوں کی گئی۔ یہ عربوں کا ایک اسلوب ہے کہ وہ غیر واقع باتوں کے ساتھ ایک واقع بات کو بھی کبھی استشہاداً ملا دیتے ہیں کہ جس طرح وہ امر واقع ہے ان دو کو بھی امر واقع بنا دیں۔ یہ حسنِ طلب کا نہایت بلیغ انداز ہے۔ آپ کی بیٹی کا نکاح پہلے سے حضورؐ سے ہو چکا تھا۔ آپ کا کہنا تھا کہ اسی تناظر پر آپ میری یہ دو باتیں بھی مان لیں۔

حضرت مریم بالاتفاق فوت ہو چکی ہیں۔ حضرت عیسیٰ پر ابھی تک موت نہیں آئی۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کرتے اس واقع امر کو غیر واقع امر کے ساتھ ملاتا ہے۔ من یملک من اللہ شیئاً ان اراد ان یہلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعًا ——— عیسیٰ ابن مریم اور من فی الارض پر موت نہیں آئی مریم پر آچکی لیکن تینوں کا ایک تناظر میں بیان ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مریم پر جب وفات آئی تم نے اس وقت کیا اس کو روک لیا۔ سو اب اگر اللہ تعالیٰ مسیح پر اور جو زمین پر رہنے والے ہیں سب پر موت وارد کرے تو خدا کا کیا بگاڑ سکو گے؟ ابوسفیانؓ کا سوال اس اسلوب عرب پر تھا جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے کئی لوگ صحیح مسلم کی اس روایت پر انگشت بدنداں ہیں۔

بشیر حسین کے بعد اُن کے حجۃُ الاسلام کا ذوقِ علم بھی دیکھیں

اس کتابچہ کا پیش لفظ حجۃ الاسلام علامہ محمد حسنین السابقی پرنسپل جامعۃ الثقلین کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں پرنسپل موصوف نے حضرت براء بن عازبؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ جب آپ کو کہا گیا کہ آپ نے بیعت رضوان کی فضیلت حاصل کی ہے تو انہوں نے فرمایا:۔

اے برادر زادہ! تم کو نہیں معلوم کہ ہم نے ان کے بعد کیا کیا احداث کیے۔ ص۵

ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ یہ باتیں تواضع اور کسر نفسی کے طور پر کہی جاتی ہیں اور ہم سے مراد ان کی

ذات نہیں مسلمانوں کی عمومی حیثیت مراد ہے۔

حجۃ الاسلام پرنسپل صاحب کے علم میں یہ روایات بھی ہوتیں تو شاید وہ یہ بات نہ کہتے:۔

کسی نے امام باقرؒ سے کہا۔ کیف اصبحت؟

انہوں نے کہا۔ اصبحنا غرقی فی النعمۃ مدفورین بالذنوب۔ (کتاب الامالی للشیخ طوسی جلد ۲ ص)

ترجمہ۔ ہم پر انعامات کی تو بارش رہی لیکن ہم گناہوں میں ڈوبے رہے۔

کیا امام باقرؒ واقعی گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ (معاذاللہ)

امام باقرؒ کیا ان کے والد حضرت امام زین العابدینؒ بھی کہتے ہیں:۔

انا الذی اوقرت الخطایا ظھرہ وانا الذی افنت الذنوب عمرہ۔ (صحیفہ کاملہ سجادیہ ص۱۱۳ طہران)

ترجمہ۔ میں وہ ہوں کہ خطاؤں نے اس کی پشت بوجھل کر دی ہے اور گناہوں نے اس کی عمر ختم کر کے رکھ دی ہے۔

اس صحیفہ میں آپ نے اپنے لیے الظالم المفرط المضیع الاثم ص۲۸۷ ——— معترفاً بذنوبی مقراً بخطایای ص۳۹۱ ——— اور ——— اتنصل الیک من ذنوبی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

بشیر حسین کی ایک اور شرمناک خیانت

ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آکر اپنی غلطی کا اقرار کیا کہ اس نے ایک غیر عورت سے بوس و کنار کی ہے۔ آپ نے اسے کہا:۔

استر علی نفسک وتب ولا تخبر احداً۔

ترجمہ۔ تو اس پر پردہ ڈال ——— خدا سے توبہ کر ——— اور کسی سے یہ بات نہ کہنا۔

بشیر حسین اس واقعہ کو اپنی طرف سے یوں مسالہ لگا کر نقل کرتا ہے:۔

میں نے اپنی اس خطا اجتہادی کا ذکر حضرت ابوبکر کے سامنے کیا تو انہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس واقعہ کو دشمن سے چھپا کر رکھنا اور کسی کو نہ بتانا۔ ص۴۷

موصوف نے اس پر سرخی یہ قائم کی ہے۔ «ایک اور ایمان افروز واقعہ»

یہ تینوں خط کشیدہ الفاظ بشیر حسین نے اپنی طرف سے اس روایت میں ڈالے ہیں۔ ان کے بغیر وہ اس بات کا چٹخارہ نہیں لے سکتا تھا اور نہ اپنے اثنا عشری ذوق کو پورا کر سکتا تھا۔ اصل روایت میں تُب (توبہ کر) کا لفظ موجود تھا وہ اس نے سرے سے حذف کر دیا اور پھر لطف یہ ہے کہ اس جھوٹ اور خیانت کو اس نے ایمان افروز قرار دیا ہے ——— اب اصل روایت بھی پڑھ لیجیے۔

اس روایت کے آگے ہے:

فلم اصبر فاتیت عمر فذکرت ذلك له فقال استر علی نفسك و تب ولا تخبر احداً فلم اصبر حتی اتیت النبیؐ فذکرت ذلك له فقال له اخلفت غازیاً فی سبیل الله فی اهله۔ (جامع ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ۔ میں نہ رہ سکا۔ یہاں تک کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔ پھر بھی مجھ سے نہ رہا گیا اور میں حضورؐ کے پاس آیا آپ نے پوچھا کیا تو نے اللہ کی راہ میں کسی مجاہد کی جانشینی کی ہے؟.... پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ ان الحسنات یذھبن السیئات۔ نیکیاں برائیوں کو بہالے جاتی ہیں۔

یہ پوری روایت اب آپ کے سامنے ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو بدنام کرنے میں بشیر حسین جس راہ پر چلا ہے کیا آپ نے اس میں کچھ بھی دیانت محسوس کی۔ یہی صورت جب حضورؐ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے قرآن کریم سورت ہود کی آیت پڑھ کر کیا یہ نہ بتلایا کہ نیکیاں برائیوں کو بہالے جاتی ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب اس شخص کو کہا تھا کہ اپنے گناہ پر پردہ پوشی کر اور اللہ تعالیٰ سے حضور توبہ بجالا۔ تو اس میں کون سی بات ناجائز تھی؟

افسوس اس پر ہے کہ جو لوگ اس قسم کے واقعات کو ان کا شرعی تجزیہ کیے بغیر انہیں تمسخر کے رنگ میں پیش کرتے ہیں الٰہی ہدایت کا دروازہ ان پر پھر بند رہتا ہے۔ کیوں کہ ان کی الزام تراشی کی بناء غلط فہمی نہیں بدنیتی ہوتی ہے۔

اسلام نے پوری دنیا کو یہ اخلاقی تعلیم دی تھی کہ بدگمانی سے بچو بعض بدگمانیاں گناہ کے درجے تک لے جاتی ہیں اور فقہاء اسلام نے یہ اخلاقی ضابطہ پیش کیا تھا کہ کسی بات میں ننانوے احتمال برائی کے ہوں اور ایک پہلو صدق و دیانت کا نکلتا ہو تو مومن کو صدق و دیانت کا ہی رخ کرنا چاہیئے۔

اثناعشری مذہب کی پوری بنیاد صحابہ کرامؓ کے بارے میں اسلام کے اس سنہری اصول کو نظر انداز کرنے پر اٹھی ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ اسلام اور فطرت کے اس زریں اصول کو تھامے ہوئے صحابہؓ پر وارد کیے گئے شیعی الزامات اور اہل بیتِ رسالت پر وارد کیے گئے خارجی الزامات کا جواب پوری شرافت اور دیانت سے دیتے چلے آرہے ہیں۔

ہم ہر اس انصاف پسند انسان سے جس کا ضمیر کچھ بھی جاگتا ہے اور وہ پاکستان کو فرقہ وارانہ کشمکش سے پاک اور مسلمانوں کو متحد دیکھنا چاہتا ہے بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس ملک میں جہاں بشیر حسین بخاری اور ریٹائرڈ کرنل فدا حسین نقوی جیسے لوگ موجود ہوں وہاں صحابہؓ اور اہلبیتؓ کی عزت و ناموس کو قانونی تحفظ فراہم کرنے میں ہماری مدد کرے۔ تاکہ مسلمان اثناعشریوں کے صحابہؓ پر کیے گئے دلآزار حملوں سے مخلصی پاسکیں۔

حضور ختمی مرتبتؐ اور حضرت علی المرتضیٰؓ

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کتنا قریب تھے؟

حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسد فوت ہوئیں تو

(۱) — حضورؐ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عمرؓ کو ان کی قبر تیار کرنے کا امر فرمایا۔

(۲) — انہیں قبر میں اتارنے کے لیے حضورؐ، حضرت عباسؓ اور حضرت ابوبکرؓ قبر میں اترے۔

(رواہ الطبرانی)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے نکاح کے گواہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ (کشف الغمہ صفحہ ۱۰۴) اور مہر فاطمی حضرت عثمانؓ کے مال سے ادا ہوا تھا اور اس پر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے لیے دعا فرمائی تھی۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۴۲ طبع قدیم)

حضرت سیدہؓ کی وفات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور آپ کو خلیفہ اول کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ سو یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابوبکرؓ کو آپ کی وفات کی خبر نہ ہو۔ کیا حضرت اسماء بنت عمیسؓ اپنے خاوند کو پوچھے بغیر کسی کو غسل دینے ان کے ہاں جاسکتی ہیں؟ محدثین لکھتے ہیں:-

وزع اسماء یمنعها ان لا تستاذنه۔ (الجوہر النقی جلد ۳ صفحہ ۳۹۶)

یاد رکھیئے حضرت علیؓ نے جن ہاتھوں میں ہاتھ دیا اور انہیں خلیفہ تسلیم کیا انہیں مومن اور خلیفہ برحق ماننے اور ان کے عزت و ناموس کا تحفظ کیے بغیر شیرازۂ اسلام کبھی جمع نہیں ہوسکتا۔

اندکے با تو گفتم و لیک ترسیدم
کہ آزردہ دل نشوی ورنہ سخن بسیار است
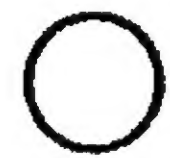
بشیر حسین بخاری کی سب باتیں غلط کیوں نکلیں
امام جعفر صادقؒ کی بد دُعا

ابو بکرؓ صدیق ہیں صدیق ہیں صدیق ہیں جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بات دُنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)

(بحوالہ کشف الغمہ لعلی بن عیسیٰ الاردبیلی صفحہ ۲۲۰ طبع قدیم ایران)

انّ الذین فرّقوا دینھم وکانوا شیعاً لست منھم فی شیٔ۔ (القرآن)

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں جُدا جُدا راہیں نکالیں اور وہ ہو گئے شیعہ اے میرے محبوب تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں ہے

رسالت کے بعد

بغاوت یا خلافت

قرآنِ کریم کا اعلان

اللہ تعالےٰ عہدِ رسالت کے مسلمانوں کو حضورؐ کا جانشین بنائے گا (دیکھئے پ۱۸ النور آیت ۵۵)

اہلِ سنّت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ حضورؐ کے بعد خلافت بلافصل قائم ہوئی۔ رسالت اور خلافت کے درمیان کوئی دورِ بغاوت نہیں آیا۔ حضورؐ کے بعد چاروں خلیفہ بلافصل ایک دوسرے کے جانشین ہوئے اور حضورؐ سے حضرت علیؓ تک خلافت مسلسل پہنچی، آپ حضرت عثمانؓ کے بعد بلافصل خلافت پر آئے

شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت کے بعد ۲۴ سال تک بغاوت رہی اور حضرت علیؓ کی خلافت ۲۴ سال کے فصل سے قائم ہوئی۔ اہلِ سنّت کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت پہلی تین خلافتوں سے مسلسل اور بلافصل تھی۔

شیعہ اعتقاد یہ ہے :	عہدِ رسالت	عہدِ بغاوت	عہدِ خلافت
	۲۳ سال	۲۴ سال	۶ سال

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ قرآنِ کریم میں رسالت کے بعد بغاوت کی خبر دی گئی ہے یا خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے؟

اگر قرآنِ کریم میں خلافت موعود ہے تو پھر حق پر اہلِ سنّت ہیں اور حضورؐ سے بلافصل خلافت حضرت ابوبکرؓ کی ہے

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ الانعام ۸۲)

رسالت کے بعد

بغاوت یا خلافت

قرآنِ کریم کا اعلان

اللہ تعالٰی عہدِ رسالت کے مُسلمانوں کو حضورؐ کا جانشین بنائے گا (دیکھئے پ ۱۸ النور آیت ۵۵)

اہلِ سُنّت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ حضورؐ کے بعد خلافت بلافصل قائم ہوئی۔ رسالت اور خلافت کے درمیان کوئی دورِ بغاوت نہیں آیا۔ حضورؐ کے بعد چاروں خلیفہ بلافصل ایک دُوسرے کے جانشین ہوتے اور حضورؐ سے حضرت علیؓ تک خلافت مسلسل پہنچی، آپ حضرت عثمانؓ کے بعد بلافصل خلافت پر آتے

شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت کے بعد ۲۴ سال تک بغاوت رہی اور حضرت علیؓ کی خلافت ۲۴ سال کے فصل سے قائم ہوئی۔ اہلِ سُنّت کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت پہلی تین خلافتوں سے مسلسل اور بلافصل تھی۔

شیعہ اعتقاد یہ ہے:	عہدِ رسالت	عہدِ بغاوت	عہدِ خلافت
	۲۳ سال	۲۴ سال	۶ سال

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ قرآنِ کریم میں رسالت کے بعد بغاوت کی خبر دی گئی ہے یا خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے؟

اگر قرآنِ کریم میں خلافت موعُود ہے تو پھر حق پر اہلِ سُنّت ہیں اور حضورؐ سے بلافصل خلافت حضرت ابوبکرؓ کی ہے

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ الانعام ۸۲)